موت کے خریدار

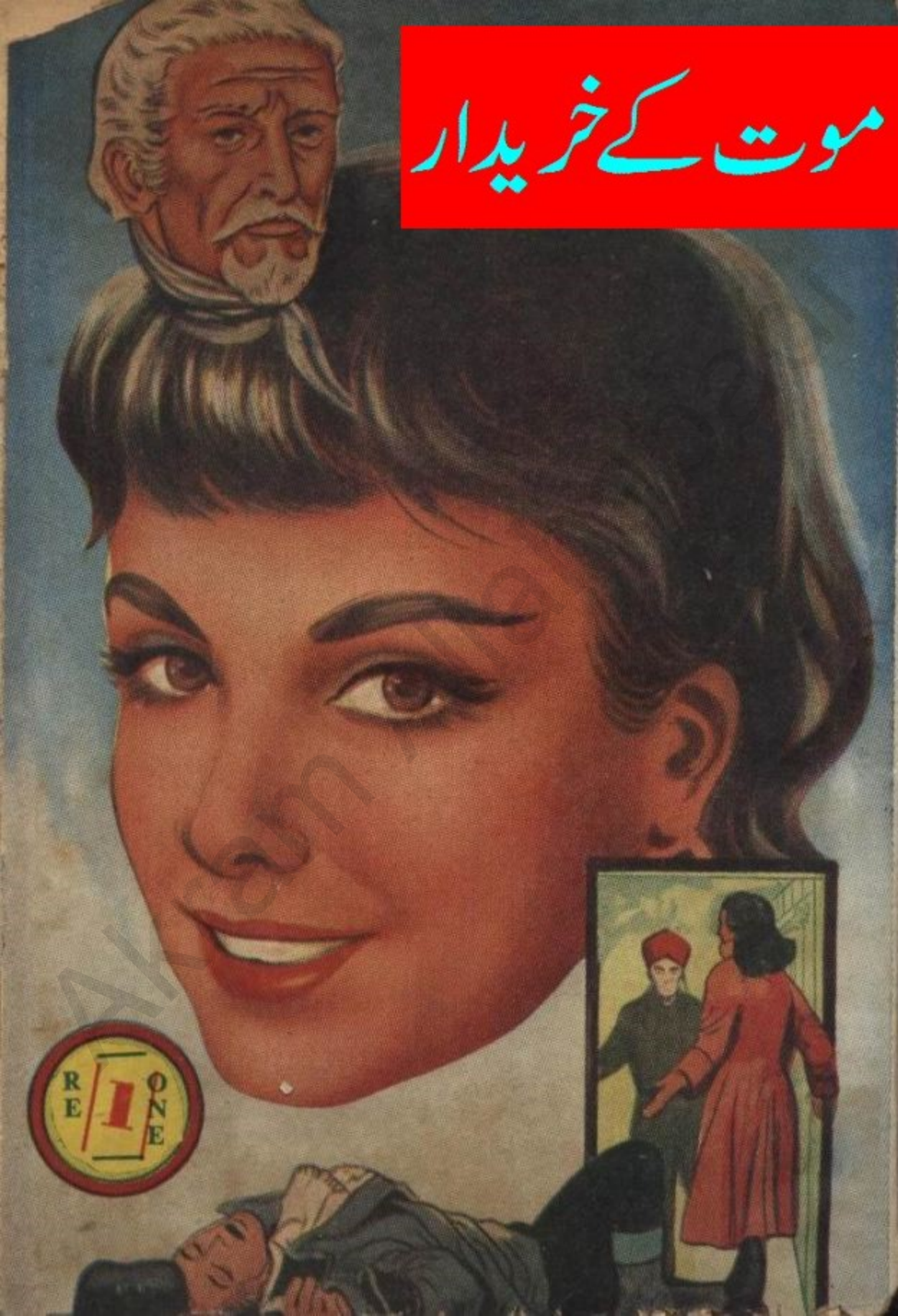

جاسوسی دائرہ سیریز

موت کے خریدار

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

انتساب

اپنے پرخلوص دوست عتیق کے نام جو
ایک بچّے کی طرح بھولا ہے، لیکن نصیحت
کرنے کے معامل میں کسی بڑی بی سے کم
نہیں۔

اکرم

Akram Allahabadi

عجیب اشتہار

بات ہی ایسی تھی جس نے سارے شہر کو چکر میں ڈال دیا۔

آج کے اخباروں میں ایک حیرت ناک اشتہار شائع ہوا تھا جسے بعض تو کوئی انوکھا مذاق سمجھے تھے اور بعض اس کا مفہوم ہی نہیں سمجھے تھے۔ اشتہار میں لکھا تھا، ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو مرنا پسند کرتے ہوں۔ منہ مانگی قیمت دی جائے گی۔ ذیل میں پتا لکھا تھا، 'ڈاکٹر وارن ہڈسن ۳۰۱ گرین سرکل'۔

اشتہار تقریباً تمام مقامی اخبارات میں شائع ہوا تھا اور عام طور پر یہ خیال پایا جا رہا تھا کہ اشتہار کی عبارت سے مراد کوئی ایسا خطرناک کام ہوگا جس میں جان تک کی بازی لگانی پڑے۔ مگر بات صرف پبلک تک ہی نہیں رہی۔ پولیس کے حلقوں میں بھی یہ اشتہار دل چسپی کا باعث بن گیا۔

حتیٰ کہ صبح صبح اس اشتہار کو دیکھنے کے بعد انسپکٹر جنرل بھی چونکے بغیر نہ رہا۔

سپرنٹنڈنٹ خان بھی اپنے آفس میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے خود آئی جی بول رہا تھا۔

''یس سر۔'' خان گھبرا گیا۔

''آپ نے آج کے اخبار میں وہ اشتہار دیکھا ہے، خان صاحب؟'' آئی جی نے پوچھا۔

''جی ہاں، وہ جو مرنے والوں کے لیے جو ہے؟'' خان نے جواب دیا۔

''ہاں وہی۔ کیا خیال ہے اس کے بارے میں آپ کا؟''

''میں سمجھتا ہوں یہ کوئی شرارت نہیں ہے، نہ اخبارات میں اس قسم کا مذاق کیا جا سکتا

ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''لیکن اس کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟'' آئی جی نے سوال کیا۔

''آپ کے سامنے میں کیا رائے زنی کرسکتا ہوں، لیکن اشتہار توجہ کے لائق ضرور ہے۔'' خان نے ادب سے کہا۔

''مجھے اس کے بارے میں تحقیقات کر کے مطلع کیجیے۔'' آئی جی نے اسے ہدایت کی۔

''میں نے اس اشتہار کے پڑھتے ہی صبح سارجنٹ بالے کو اس کے متعلق معلومات کرنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ وہاں نہ تو اس نام کا کوئی آدمی رہتا ہے، نہ اس عمارت والوں کا اشتہار سے واسطہ ہے۔ وہ کوئی گجراتی فیملی ہے جو بہت شریف اور سیدھے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیا ان کے یہاں کوئی جوان یا خوب صورت لڑکی بھی ہے؟'' آئی جی کے اس سوال پر خود خان کچھ گھبرا سا گیا۔ یہ سوال قطعی غیر متوقع اور عجیب سا تھا۔ مگر چند سیکنڈ بعد ہی آئی جی کا مقصد اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ مسکرا دیا۔

''اوہ، آپ کا اشارہ مرمٹنے والے مذاق کی طرف ہے، سر۔'' خان نے ہنس کر پوچھا۔

''ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔'' آئی جی بھی خوش گوار موڈ میں بولا۔

''میں اس کے متعلق بھی تحقیق کرلوں گا۔''

''میرا جو اشارہ ہے اس زاویے سے بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔'' آئی جی نے کہا۔

''کیا اسے کیس قرار دیا جائے؟'' خان نے سوال کیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ سب کچھ مذاق ہی ہو۔ بہرحال میں اپنی ذہنی تسکین

Akram Allahabadi

کے لیے اس کا سبب ضرور جاننا چاہتا ہوں۔'' آئی جی نے کہا۔

''بہتر ہے، میں شام تک تفصیلات پیش کروں گا۔'' خان نے وعدہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر آئی جی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

آئی جی نے جس خیال کا اظہار کیا تھا ان حالات میں وہی زیادہ قابلِ قبول تھا اور خان بھی بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ اگر اس گجراتی فیملی میں کوئی خوبصورت قسم کی لڑکی موجود ہے تو یہ کسی کی شرارت ہی ہوگی، جس کا مطلب ان لوگوں کو پریشان کرنا یا لڑکی کا مذاق اڑانا ہوگا۔ مگر سوال یہ تھا کہ اخبارات نے اس قسم کا اشتہار چھاپ کیسے دیا۔ بیٹھے بیٹھے اسے لانگ فیلو کا خیال آ گیا۔ وہ ان دنوں نیشنل اسٹینڈرڈ نامی انگریزی اخبار میں کام کر رہا تھا۔ خان نے ڈائرکٹری میں اخبار کے نمبر دیکھے اور انھیں ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف کسی لڑکی کی مہین سی آواز سنائی دی۔

''جرنلسٹ لانگ فیلو، پلیز۔'' خان نے کہا۔

''ہولڈ آن۔'' جواب ملا۔

لانگ فیلو کو فون پر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

''کہو بھائی شتر مرغ، میں خان بول رہا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''ضرور بولیے۔ فرمایے؟''

''ارے بھئی وہ آج اخباروں میں ایک عجیب سا اشتہار چھپا ہے نا...'' خان نے کہنا چاہا۔ مگر لانگ فیلو نے بات کاٹ دی۔

''وہ مرنے جینے والا؟'' وہ بولا۔

''ہاں ہاں، وہی۔ یہ کیا معاملہ ہے آخر تمھیں کچھ معلوم ہے؟''

''معاملہ کیا ہے، اشتہار ہے بس۔ کسی نے پیسے دیے، اخبار نے چھاپ دیا۔''

''مگر اس کی عبارت...؟''

Akram Allahabadi

''قانوناً قابلِ اعتراض نہیں۔اس سے واضح طور پر مراد جانباز، جانفشانی سے محنت کرنے والوں یا اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرنے والوں سے لی جا سکتی ہے۔''

''اوہو،تم تو اس کی وکالت ہی کرنے لگے۔آخر رہے نا لیفٹ کے لیفٹ۔''

''میں نے بھی اس کے بارے میں ایڈورٹائزمنٹ منیجر سے پوچھا تھا۔اس نے یہی کہا کہ کوئی ایک موٹا سا خوش لباس آدمی آیا تھا، وہی یہ اشتہار دے گیا ہے۔تفصیلات لکھنے سے بہتر یہی ہے کہ مختصر الفاظ میں واضح کر دیا جائے کہ ایسے لوگوں کی ضرورت جو فرض کی ادائیگی کے معاملے میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کریں۔لیکن وہ اس پر بضد تھا کہ عبارت یہی شائع ہوگی اور رآفس نے بھی اسے قانوناً قابلِ اعتراض نہیں سمجھا۔''

''خیر، مگر تم اب ایک بار اور منیجر سے مل کر اس آدمی کا حلیہ تو نوٹ کر لو۔''

''کیوں؟ کیا اس میں بھی اسرار نظر آنے لگے آپ کو۔''

''میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اشتہار دیا کس نے ہے۔''

''بہتر ہے۔میں کوشش کروں گا۔''

اس کے بعد فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور خان نے اردلی کو حکم دیا کہ وہ بالے کو بلا لائے۔

.....

غلام حاضر ہے، جہاں پنا۔''بالے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا، بالے سامنے اٹینشن کھڑا تھا۔

''تم کہاں تھے؟''

''اسی دنیا میں۔''

''آئی جی کا خیال ہے اس گجراتی فیملی میں کوئی نوجوان لڑکی ہوگی جس کے لیے اس قسم کا مذاق کیا گیا ہوگا۔''

Akram Allahabadi

''ممکن تو ہے۔''

''میں تمہارا مشورہ نہیں طلب کر رہا ہوں۔ اس بارے میں جو معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔''

''آن ڈیوٹی۔''

''نہیں، صرف رسمی۔''

''او کے، باس۔''

''اور ہاں، یہ بھی جاننے کی کوشش کرو کہ شہر میں کوئی ڈاکٹر وارن ہڈسن بھی ہے یا فرضی نام ہے۔''

''بل کس کے نام کا بناؤں؟''

''کیا مطلب؟''

''غیر سرکاری کام ہے نا؟''

''کام تو سرکاری ہی ہے لیکن کیس رجسٹرڈ نہیں۔''

''ہائے، کوئی صورت نظر نہیں آتی۔'' بالے ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''کس کی؟''

''جس فارسی میں مبلغ کہتے ہیں۔ آج کل کمپنی دیوالیہ ہو گئی ہے۔''

''میں جانتا ہوں تمہارے نخرے۔ چلو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

''گاڑی لے جاؤں؟''

''نہیں، مجھے خود ضرورت ہے۔''

''خدا نے چاہا تو ٹائر برسٹ ہو جائے گا۔''

''تم جاتے ہو یا نہیں۔''

مگر اس سے پہلے ہی بالے باہر جا چکا تھا۔ آفس سے نیچے اترتے ہوئے رؤف کی

Akram Allahabadi

شامت اعمال اسے سامنے لائی۔

''اسلام وعلیکم، بھائی حرام مونچھ۔'' بالے نے کسی عرب سوداگر جیسا لہجہ بناتے ہوئے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ۔کوئی وقت بھی ہوتا ہے مذاق کا۔'' رؤف منہ بنا کر بولا۔

''لاٹ صاحب نہیں ہو جو تمہارا ٹائم ٹیبل نوٹ کیا جائے۔'' بالے نے بھی منہ ٹیڑھا کر کے جواب دیا۔

''اب تمہارے منہ کون لگے۔''

''یہ حق صرف صنفِ نازک کو ہی حاصل ہے اور تم...''

''بس بس، رہنے دو اپنی حماقتیں۔'' رؤف نے یہ کہہ کر آگے بڑھنا چاہا۔

''گھبراؤ نہیں، میری ماتحتی میں آؤ گے تو الٹے استرے سے منڈوا دوں گا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا میری مونچھ سے کیوں دشمنی ہے تمہیں؟''

''مجھے تمہاری مونچھ دیکھ کر گلہری کی دم یاد آتی ہے۔''

''خدا سمجھے تم سے۔'' رؤف بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

اسٹاف کار کہیں جا رہی تھی، جس میں انسپکٹر ڈیسوزا پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ بالے کا اشارہ پا کر ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔

''کہاں اترو گے تم؟''

''جزیرۂ سراندیپ میں۔''

''بہت چہک رہے ہو آج۔''

''موسم ہی ایسا ہے۔مگر خشکوں کے لیے تو مثل مشہور ہے...'' بالے نے کہنا چاہا۔

''بس بھئی، میں یہ زبان نہیں سمجھتا۔''

''تامل میں عرض کروں؟''

Akram Allahabadi

''گاڑی اس وقت میرے چارج میں ہے اور میں تمہیں جہاں چاہوں اتار سکتا ہوں۔''

''تو پھر مجھے گھر پر اتار دیجیے۔'' بالے سنجیدہ ہوگیا۔

''اب آئے نا راہ پر۔'' ڈیسوزا مسکرا دیا۔

''اس وقت میں کام کے موڈ میں ہوں ورنہ گھر تک پیچھا نہ چھوڑتا۔''

ڈیسوزا نے خاموش ہوجانا ہی مناسب سمجھا۔ بالے جب ستانے کے موڈ میں ہوتا تو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوجاتا۔

خان کے بنگلے والی سڑک کے موڑ پر ڈیسوزا نے اسے کار سے اتار دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

امّیدوار

بالے نے پہلے تو فرصت سے دوپہر کا کھانا کھایا اور غلام رسول کو یہ ہدایت کرنے کے بعد کہ وہ چائے تیار کرے، خود میک اپ کرنے بیٹھ گیا۔ خان نے اس فن میں اسے اتنا ماہر بنا دیا تھا کہ اب وہ بغیر اس کی مدد کے ہر طرح کا میک اپ کر سکتا تھا۔ اس نے کسی پریشان حال نوجوان جیسی شکل بنالی۔ داڑھی بڑھی ہوئی، بال منتشر اور ایک معمولی قسم کے پرانے سے لباس کی مشکل غلام رسول نے ہی حل کر دی۔ اس نے اپنا ایک اتارا ہوا جوڑا لا کر رکھ دیا۔

''تم آدمی ہو یا گھوڑے؟ کس قدر پسینے کی بدبو آتی ہے کپڑوں سے۔ وہ اسے چٹکی میں تھام کر ناک سکوڑتے ہوئے بولا۔

''جو کچھ ہے، صاحب، یہی ہے۔ ضرورت نہیں تو لایئے۔''

''اچھا اچھا، رہنے دو۔''

''نہیں، صاحب، میں تو کرایہ لوں گا ان کپڑوں کا۔'' غلام رسول نے اکڑ کر کہا۔

''ابے واہ، گھر سے ہی دھندہ شروع۔''

''کپڑے میرے ہیں۔''

''اچھا لے جاؤ، نہیں چاہئیں۔''

غلام رسول کپڑے اٹھا کر لے جانے لگا تو وہ پھر بول پڑا۔

''رہنے دو رہنے دو، کتنا کرایہ چاہیے کپڑوں کا؟''

''پانچ روپے، صاحب۔''

''اور پانچ جوتے عنایت ہوں تو؟''

''میں بڑے صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ پی کر آئے تھے۔''

Akram Allahabadi

"او چغد۔ اچھا لو ایک روپیہ اور دفع ہو جاؤ۔"

"بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی بھلی۔" غلام رسول نے یہ کہہ کر نوٹ اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

"ابے تو گویا میں بھوت ہوں اور یہ لنگوٹی۔" باٹلے اس کے پیچھے دوڑا۔

"نہیں، صاحب، میں نے تو ضرب کی مثال کہی تھی۔" غلام رسول چیختا ہوا باورچی خانے کی طرف بھاگا۔

باٹلے نے طوعاً کرہاً وہ لباس پہن لیا۔ باہر نکل کر اسے ٹیکسی کرنی پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

گرین سرکل اپنی شاندار عمارتوں کے باوجود ویران علاقہ نظر آتا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہاں رہنے والے زیادہ تر اپنے گھروں میں ہی رہنے کے عادی تھے۔ صرف صبح اور شام کے اوقات میں ہی جب فضا کچھ خنک ہوتی یہاں کی سڑکوں اور فٹ پاتھ پر لوگ ٹہلتے نظر آجاتے۔

اس وقت دوپہر ہو رہی تھی، اس لیے سڑکیں بالکل ویران پڑی تھیں۔ حتّٰی کہ آوارہ کتے بھی دھوپ سے چھپ کر کہیں پڑ رہے تھے۔ اکا دکا کاریں البتہ بڑی سڑک سے گزر جاتیں۔

۲۰۱ نمبر اس عمارت کا تھا جو اپنے ایک چھوٹے سے احاطے اور اس کے پائیں باغ کے ساتھ ایک ایک منزلہ بنگلے کی حیثیت سے سرکل کے سرے پر بنی تھی۔ یہاں سے کئی چھوٹی سڑکیں مختلف سمتوں میں جاتی تھیں۔ ۲۰۱ نمبر کی بنگلہ نما عمارت میں سرخ حروف میں لکھا تھا "سونی کٹی"۔

وہ دروازے کی گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ ایک بار، دوبار، تین بار، تیسری مرتبہ کسی نے

Akram Allahabadi

جھنجلا کر جھٹکے سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''اب کون کمبخت ہے؟''

بالے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ ایک سترہ اٹھارہ سالہ خوب صورت، گورے رنگ کی لڑکی تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی، ناک ستواں اور ہونٹ پتلے تھے۔ اس نے ایک غضبناک نظر بالے کے سراپا پر ڈالی اور بڑے بگڑتے ہوئے موڈ سے سوال کیا۔

''کیا ہے؟... کون ہو تم؟''

''جی... مم... میں ایک امیدوار...''

''کیا تم بھی اس اشتہار کے سلسلے میں آئے ہو؟'' اس نے چیختے ہوئے انداز میں پوچھا۔ جواب میں بالے نے بڑی معصومیت سے سر ہلا دیا۔

''اوہو، یہ ہے کیا زبردستی؟'' وہ پیر پٹکنے لگی۔ ''کس گدھے نے اشتہار دیا ہے؟''

''یہیں سے دیا ہوگا کسی نے۔'' بالے نے بھولے پن سے کہا۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔ ہمارا اس اشتہار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنا ہی چاہتی تھی کہ بالے نے دروازے میں پیر اڑا دیا۔

''سنیے تو، میں تو سچ مچ مرمٹنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' لڑکی کی آنکھوں میں غصے کی تیز چمک پھر پیدا ہوگئی۔

''ہائے، اس چوکھٹے پے کون نہ مرجائے، اے خدا۔'' بالے نے سرد سانس بھر کر عاشقانہ انداز میں کہا۔

''تم کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہو۔'' لڑکی کے غصے کا پارہ اور اونچا ہوگیا۔ ''جاؤ ورنہ دربان سے جوتے کھلوا کر نکلواؤں گی یہاں سے۔''

''کاش آپ نے بھی کسی محبوب کے جوتوں کا مزا چکھا ہوتا۔ کتنا لذیذ ہوتا ہے جیسے پارلے کی ٹافی۔''

''یو ایڈیٹ۔'' لڑکی نے غضبناک ہو کر پیر کی عزت ہاتھ میں لے لی۔

Akram Allahabadi

''کمال ہے، میں تو آپ پر جان دینے کے لیے آیا ہوں اور آپ ہیں کہ اتنی بڑی قربانی کو جوتی پر مار رہی ہیں۔''

''اوہ، تم یوں نہیں مانو گے۔'' یہ کہہ کر اس نے بلند آواز سے دربان کو آواز دی۔

''فکر نہ کیجیے، وہ نمک حلال اس وقت دروازے پر موجود نہیں ہے۔''

''میں ابھی فون کر کے پولیس کو بلاتی ہوں۔'' وہ لوٹنے لگی۔

''میں کہہ دوں گا کہ میں اس اشتہاری مضمون کا چربہ ہوں۔''

مگر اسی وقت اندر سے کسی کے بھاری قدموں کی آواز آئی اور ایک بھاری جسامت کا معمر آدمی جس کی توند نکلی ہوئی تھی، اس لڑکی کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''کیا ہے؟ کیوں دربان کو بلا رہی تھیں؟'' اس نے لڑکی سے پوچھا۔

''پتا جی، یہ کوئی بدمعاش آدمی اسی اشتہار کے بہانے آیا ہے۔'' اس نے بالے کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے جی؟... کیا بکواس ہے؟'' وہ آگے بڑھے بغیر وہیں سے موٹی آواز میں بولا۔ شاید وہ خود بھی ڈر رہا تھا اور بالے کا حلیہ بھی ایسا ہی تھا۔

''بکواس ہے؟ یعنی ایک تو آپ اشتہار دے کر لوگوں کو یہاں بلواتے ہیں اوپر سے یہ ڈانٹیں۔''

''ہم نے کوئی اشتہار نہیں دیا ہے۔ وہ نہ جانے کس کی حرکت ہے۔''

''لیکن میں اسے کیا جانوں؟''

''تو جہنم میں جاؤ، یہاں کیوں آئے ہو؟'' لڑکی نے اس سے خوف کھائے بغیر کہا۔

''عرض کر چکا ہوں کہ آپ پر مر مٹنے کے لیے۔''

''غنڈے، بدمعاش۔'' بوڑھا آدمی وہیں سے دانت پیس کر بولا۔

''آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں۔ میرا مطلب تو صرف یہ بتانا ہے کہ شاید اسی طرح

آپ کی لڑکی کا مذاق اڑانے یا انھیں پریشان کرنے کے لیے یہ اشتہار دیا گیا ہو۔'' بالے ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ جس سے اس کی شخصیت ہی مختلف نظر آنے لگی۔

''ہمارے بعض پڑوسی شر پسند بھی ہیں، لیکن ان سے ایسی گری ہوئی حرکتوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔'' لڑکی کے باپ نے کہا۔

''ہو سکتا ہے ان کے کسی مایوس خواستگار کی یہ حرکت ہو۔'' بالے کا اشارہ لڑکی کی طرف تھا۔ جس کے چہرے پر اس جملے کا مطلب سمجھ کر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔

''کالج کے لڑکے ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔'' وہ خود ہی کچھ دیر بعد بولی۔

''اندر آ جاؤ۔ اب تو تم کوئی شریف آدمی ہی معلوم ہو رہے ہو۔'' لڑکی کے باپ نے پیچھے ہٹتے ہوئے بالے سے کہا۔

''میری شرافت میں تو خیر کوئی شک نہیں، لیکن اگر یہ شروع سے ہی مجھے آڑے ہاتھ نہ لیتیں تو شاید میں اتنی بکواس بھی نہ کرتا۔'' بالے اندر آتے ہوئے بولا۔

''تمھیں کیا واقعی نوکری کی ضرورت ہے؟'' بوڑھے نے اسے ڈرائنگ روم کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا میرا حلیہ اس بات کی گواہی نہیں دے رہا؟''

''کیا کام کر سکتے ہو؟''

''جو ایک انسان کے بس میں ہو۔''

''ویسے تو کوئی ایسے ہی بھلے مانس معلوم ہوتے ہو، لیکن اچانک بھروسہ کر لینے کو جی نہیں چاہتا۔'' بوڑھا پھر تذبذب میں پڑ گیا۔

''یہ میری بدقسمتی ہے۔ بہر حال کہیں نہ کہیں نوکری مل ہی جائے گی۔'' یہ کہہ کر بالے اٹھنے لگا۔

نہیں نہیں، بیٹھو ابھی۔ مجھے سوچنے دو۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

''بہتر ہے، یہ بیٹھ گیا۔'' بالے پھر بیٹھتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر تک بوڑھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر چونک کر وہ بالے کی شکل دیکھنے لگا۔ جیسے وہ اس کے بارے میں کسی فیصلے پر پہنچ گیا ہو۔

''دیکھو، شاید تمہارا ہی خیال صحیح ہو اور یہ ہمیں بدنام کرنے کی ہی کوئی حرکت ہو۔'' بوڑھا کہنے لگا۔ ''سرلا کے کالج کے لڑکے بھی اس سے استھٹے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں کالج کے لڑکے آج کل کیسی کیسی بے ہودگیاں کرتے ہیں۔''

''مگر پتا جی، کالج میں میرا نہ تو کسی سے جھگڑا ہے نہ میں لڑکوں سے بات چیت کرتی ہوں۔'' لڑکی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''تب بھی شاید کوئی اسے آپ کا غرور سمجھ کر ہی ایسی حرکت کر گزرا ہو۔'' بالے نے کیا۔

''تم کون ہوتے ہو میرے معاملات میں بولنے والے؟'' سرلا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

''جی میں تو صرف ایک رائے...''

''اپنے پاس رکھو اپنی رائے۔''

''گرم ہونے کی ضرورت نہیں، سرلا۔'' بوڑھے نے تنبیہ کے انداز میں اسے ٹوکا۔ ''میں سمجھتا ہوں تمہارا کالج کا ماحول کچھ خوش گوار نہیں ہے۔''

''تو جیسا چاہے کیجیے۔'' یہ کہہ کر وہ بالے کو خشمگیں نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

''میں تمہیں نوکر رکھتا ہوں اور تمہارا کام سردست صرف یہی ہوگا کہ اس اشتہار دینے والے کا پتا چلاؤ جس نے میرے گھر کا پتا دے کر میری بدنامی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم ہوشیار آدمی ہو اور یہ کام کر سکتے ہو۔''

''میں پوری کوشش کروں گا۔''

Akram Allahabadi

''اور ہاں، سرلا اورینٹل کالج کے تھرڈ ایئر میں ہے۔ مناسب سمجھو تو وہاں بھی امکانات کا جائزہ لو۔''

''بہتر ہے۔''

''مگر کوشش یہی کرنا کہ میرا نام نہ آنے پائے۔ جو کچھ ہو خفیہ طور پر۔ یہ سرلا میری ایک ہی بچی ہے اور بہت ضدی واقع ہوئی ہے۔'' بوڑھے آدمی نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔

''آپ اطمینان رکھیے۔'' بالے نے اسے یقین دلایا۔

''لو یہ کچھ روپے رکھ لو، تمہیں یہاں آنے کے لیے کپڑے ڈھنگ کے پہننے چاہئیں۔ اور ہاں مجھ سے ملاقات صبح دس بجے سے پہلے ہی ممکن ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پچاس روپے کے نوٹ بالے کی طرف بڑھا دیے۔ بالے نے پہلے تو جھجک ظاہر کی مگر پھر نوٹ جیب میں رکھ لیے۔

''میں تمہیں معقول تنخواہ دوں گا اور اگر تم یہ کام ڈھنگ سے کر دکھایا تو تمہیں اپنی فرم میں مستقل ملازمت دے دوں گا۔'' بوڑھے نے وعدہ کیا۔

مجھ پر بھروسہ رکھیے۔ میں ان لوگوں کا پتا چلا لوں گا۔'' یہ کہہ کر بالے اٹھ کھڑا ہوا اور وہ آدمی دوسرے دروازے سے اندر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہمدرد

بالے جب اس عمارت سے باہر نکلا تو اس نے چہرے پر مایوسی اور خفگی کے آثار نمایاں پیدا کر لیے تھے۔ فٹ پاتھ کے کنارے کنارے سر جھکائے چلتے ہوئے بھی وہ اس چھوٹی سی بے بی آسٹن کار کو نظر انداز نہ کر سکا، جو اسی سڑک کے پچھلے موڑ پر پہلے سے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اور لاپرواہی سے چلنے لگا۔ وہ کار بہر حال اس کے نزدیک سے نکل گئی۔ اس نے دیکھا اسے چلانے والا ایک خوش پوش ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے سانولے چہرے پر جبڑے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے تھے۔ اگلی سڑک پر گھومنے کے بعد اسے اس بات کا احساس ہوا کہ دکان کے سامنے کھڑا ہوا ایک معمولی لباس والا آدمی جو شکل سے کوئی اچھا شہری نہ معلوم ہوتا تھا، اسے دزدیدہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ اور آگے بڑھنے پر یہ بات بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی کہ وہ اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ چلتے چلتے بالے ایک دوکان کے شوکیس کے سامنے رک گیا، جس میں ایک قد آدم آئینہ بھی لگا ہوا تھا۔ اور بظاہر اس نے شوکیس کے سامان کو دیکھتے ہوئے آئینے میں تعاقب کرنے والے کی شکل وصورت کو اچھی طرح نگاہوں میں محفوظ کر لیا۔ ایک گلی میں داخل ہو کر کچھ دور تک بالے اسے چکر دینے کے بعد ایک معمولی قسم کے ہوٹل میں داخل ہو گیا، جہاں پہلے سے کچھ میلے کچیلے کپڑوں والے آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایک پرانا سا ریڈیو ایک الماری کے اوپر رکھا ریڈیو سیلون سے گانے نشر کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی بھی اندر آ پہنچا اور بالے کے سامنے ہی ایک دوسری میز پر بیٹھ گیا۔ بالے نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی اور ہوٹل کے ٹیبل بوائے کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹیبل بوائے اس کا مطلب سمجھ کر قریب آ گیا۔

''کیا منگتا، سیٹھ؟'' اس نے پوچھا۔

''بھائی، سیٹھ ہوتے تو یہاں کیوں نظر آتے۔'' بالے نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔

''بھوک بہت لگی کچھ کھانے کو لے آؤ۔''

''کچھ کا نام بتاؤ، بھائی۔''

''چائے اور کچھ بسکٹ وسکٹ۔''

ٹیبل والا چلا گیا اور وہ آدمی اس طرح بیٹھا بالے کو بیٹھا گھورتا رہا۔شاید وہ اس کی پریشان حالی کا جائزہ لے رہا تھا۔

''ٹیبل والا چائے بسکٹ لا چکا تھا۔اسے کھانے کے بعد بالے کاؤنٹر پر آ گیا۔مگر جب اس نے جیب سے ایک چوانی نکال کر دی تو کاؤنٹر والے نے برا سا منہ بنا کر اسے لوٹا دیا۔

''چوانی کھوٹی ہے۔''وہ بھدی سی آواز میں بولا۔

''بھائی،اس وقت تو میری جیب میں صرف یہی ہے۔''

''یہ سب نا ئیں چلے گا۔مال کے پیسے چکاؤ۔''کاؤنٹر والے نے بگڑ کر کہا۔

''مگر میرے پاس یہی ایک چوانی ہے،میں کیا کروں؟''بالے نے معصومیت سے کہا۔

''تمہارا جیسا بہت آتا ہے ادھر۔پیسہ دو اور چلتے بنو۔''کاؤنٹر والے نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔

''کیوں ایک شریف آدمی کی بے عزتی کرتے ہو؟''پیچھے سے اسی آدمی کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔''لو یہ اپنے پیسے۔''

اس نے یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک چوانی نکال کر پھینک دی۔

''آؤ دوست۔''وہ بالے کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔اور بالے کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔اب دونوں ساتھ ساتھ اور پیدل چلنے لگے۔

''کیا کرتے ہو تم؟''

Akram Allahabadi

''کچھ نہیں۔''

''کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟''

''ملتا ہی نہیں۔''

''کافی پریشان معلوم ہو رہے ہو؟''

''وہ تو شکل سے بھی ظاہر ہے۔''

''کوئی آگے پیچھے ہے؟''

''پیچھے مناضی کی تلخ یادیں اور آگے اندھیرا۔''

''یہ اندھیرا روشنی میں بدل سکتا ہے، بشرطیکہ ہمت پر کمر باندھ لو۔''

''سو بار کمر باندھ لوں، مگر کوئی راستہ بھی تو ہو۔''

''میرے ایک دوست کو ایسے آدمیو کی ضرورت ہے جو بہادر ہوں اور اپنے فرض کی ادائے گی میں جان کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوں۔''

''کوئی غیر قانونی کام تو نہ ہوگا؟''

''قطعی نہیں۔''

''تو میں پہاڑ سے بھی ٹکرانے کو تیار ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔کل مجھے شام کو ۷ بجے اسی ہوٹل میں ملو اور لو یہ دس روپے تمہارے کل تک کے خرچ کے لیے کافی ہوں گے۔''

''شکریہ۔ میں کل آپ کا انتظار کروں گا۔'' بالے نے فرطِ مسرت سے کانپتے ہوئے ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ تھام لیا۔اب وہ آدمی اس سے علیحدہ ہوگیا۔پھر اس نے راستے سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گیا۔بالے نے ٹیکسی کا نمبر غور سے دیکھ لیا۔وہ خود بھی پیچھے آتی ہوئی ٹکسی کو روکنا چاہتا تھا، مگر کچھ سوچ کر وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خدا جانے لوٹتے ہوئے بالے کو کیا سوجھ گئی جو وہ اسی میک اپ میں شوکت کے آفس میں گھس گیا۔شوکت اس وقت اندر موجود تھا مگر دروازے پر ہی چپراسی نے اسے روک دیا۔اس حلیے میں وہ اسے نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرنے والا کوئی پریشان حال بے روزگار ہی سمجھا۔

''کیا کام ہے؟''اس نے راستہ روک کر پوچھا۔

''کچھ نوکری ووکری ملے گی؟''بالے نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''ادھر نوکری وکری کچھ نئیں ہے۔وہ بوٹ (بورڈ) پڑھ لو۔''چوکیدار نے اپنی رام پوری زبان میں کہا۔

''ابے میں تمہارے سیٹھ کے خالو کے سالے کا خالو لگتا ہوں۔مجھے بھلا نوکری نہیں ملے گی؟''

''بھیجہ ٹھکانے نہیں ہے کیا؟''

''بھیجہ بھی ٹھکانے ہے اور عقل بھی۔تم اپنے صاحب کو خبر کردو کہ بھوپال سے نواب فتح اڑیم خاں آف لال گھاٹی تشریف لائے ہیں۔''بالے نے اکڑ کر کہا۔

''ہونہہ،یہ منہ اور مسور کی دال۔کوئی پاگل خانہ جھانکو میرے یار۔''چپراسی نے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''مسور کی دال گھٹیا کوالٹی والے لوگ کھایا کرتے ہیں۔من کہ بریانی می خورم۔''

''جاؤ میاں راستہ ناپو۔''

''یہ کام پی ڈبلو ڈی والوں کا ہے۔تم جا کر اپنے صاحب کو خبر کرو،وہ خود مجھے اندر بلالیں گے۔''بالے نے اس قدر سنجیدہ لہجہ میں کہا کہ چپراسی سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا نام بتایا آپ نے؟''اس نے دوبارہ پوچھا۔

Akram Allahabadi

''نواب فتح اڑیم خاں آف لال گھاٹی۔''

''یعنی لال گھاٹی کے نواب۔''چپراسی نے دوبارہ اس کے سراپا کو حیرت سے دیکھ کر دوہرایا اور الجھا ہوا ذہن لے کر اندر چلا گیا۔اس کی یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ خود شوکت کے آفس پر جاتا البتہ اس نے شوکت کی نئی اسٹینو سے، جو سانولے رنگ کی اکہرے بدن کی دیسی عیسائی لڑکی تھی، جا کر نووارد کے بارے میں بتایا۔

''کیا بولا تم، نواب؟ تو اندر بلاؤنا ان کو۔''اسٹینو چپراسی پر ہی بگڑ گئی۔وہ سمجھی واقعی کوئی نواب صاحب شوکت کی ملاقات کو آئے ہوں گے۔

''مگر وہ تو سنکی معلوم ہوتا ہے کوئی۔''چپراسی نے دوبارہ کہا۔

''نواب لوگ سب سنکی ہوتا۔جلدی بلاؤ ان کو اندر۔''اسٹینو نے چپراسی کو ڈانٹا اور باہر آ کر چپراسی نے بالے کو اندر بھیج دیا۔اسٹینو اس کی منتظر ہی تھی۔مگر جب اس نے بالے کا حلیہ دیکھا تو سٹ پٹا گئی۔وہ واقعی یا تو کوئی سنکی معلوم ہوتا تھا، کوئی شرارت پسند۔''

''تم...تم کون ہو؟ کس کو ملنے کا ہے؟''اس نے جھجکتے ہوئے بالے سے پوچھا۔وہ اب اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''شوکت میاں خاں جاگیردار کو۔ہم ان کے خالو کے سالے کے خالو ہیں۔''

''یہ آفس ہے، مسٹر، کوئی پاگل خانہ نہیں ہے۔''

''یوں ہی سہی۔مگر تم انھیں خبر ضرور کر دو ورنہ وہ تم پر بہت خفا ہوں گے کہ میرے چہیتے خالو کے سالے کے خالو کو تم نے باہر کیوں روک دیا۔''

''نان سنس۔تم کوئی بدمعاش ہے۔''وہ بھڑک اٹھی۔

''شٹ اپ، میں تمہارا خالو نہیں تمہارے باس کا خالو ہوں۔''

''چپراسی، باہر نکالو اس پاگل کو۔''وہ پیر پٹک کر چیخنے لگی۔مگر اس کی آواز شوکت کے کمرے تک پہنچ گئی۔وہ اپنے آفس سے باہر نکل آیا۔

Akram Allahabadi

''کیا معاملہ ہے، بے؟''اس نے بالے کی طرف ایک نظر دیکھ کر اسٹینو سے سوال کیا۔اس کے آتے ہی سناٹا ہو گیا تھا۔

''باس، یہ پاگل آدمی یہاں گھس آیا ہے۔''

''کون پاگل؟ پاگل تم تمہارا باس۔ میں اس کمپنی کے مالک کے خالو کے سالے کا خالو ہوں۔''

''اور لو، سالے یہیں گھس آئے۔ارے نکالو اسے۔''شوکت دوسرے چپراسی کی طرف دیکھ کر بولا۔وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ بالے اچھل کر شوکت کے برابر پہنچ گیا۔

''بیٹا، گڑبڑ کی تو پری بیگم سے شادی نہیں ہوگی۔''اس نے آہستہ سے شوکت کے کان کے پاس کہا اور شوکت چونک پڑا۔

''کون ہو تم؟''وہ اسے حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ باتیں یہاں کھڑے ہو کر کی جانے کی ہیں؟''

''ارے آؤ تو۔آؤ آؤ، اندر میرے آفس میں آؤ۔''

''نہیں، پہلے ان سے کہو کہ میں رشتے میں تمہارا خالو ہوں۔''

''میرا کوئی خالو سالو پیدا ہی نہیں ہوا اس دنیا میں۔''

''اچھا جھوٹ موٹ کہہ دو۔''

''اے لو، سب ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ کام کرو اپنا اپنا۔''شوکت نے اسٹاف کی طرف دیکھ کر ڈانٹ سنائی اور وہ چپکے سے کھسک گئے۔

''آئی ایم ساری، باس، میرے کو نائیں مالوم تھا کہ یہ آپ کا کھالو ہیں۔''اسٹینو معذرت کرنے لگی۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔اے، تم آؤ میرے ساتھ۔''

یہ کہہ کر وہ آفس میں گھس گیا۔بالے اس کے پیچھے تھا۔

Akram Allahabadi

''اب بتاؤ کون ہو تم؟''

''میں پچھلے جنم میں تمہارا باپ واقع ہوا تھا۔''بالے نے لاپرواہی سے کرسی پر ٹانگیں پھیلا کر کہا۔

''کیا؟''شوکت کی بھنوئیں تن گئیں۔

''ناراض ہوتے ہو تو چلا جاتا ہوں۔ویسے صرف میں ہی پری بیگم سے تمہاری شادی کرا سکتا ہوں،بشرطیکہ تم مجھے اپنا پچھلے جنم کا باپ تسلیم کر لو۔''

''تیل لینے گئی شادی وادی اور تم بھی۔گیٹ آؤٹ۔''شوکت بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''اچھا تمہاری مرضی۔میں اس پولیس سارجنٹ سے اس کی شادی کرے دیتا ہوں۔''بالے اٹھتے ہوئے بولا۔

''اے،کیا بولا تم نے؟''شوکت نے پیچھے سے اس کا کالر تھام لیا۔

''ٹھیک ہے۔میرے عمل میں اتنی طاقت ہے کہ جس سے جس کی شادی چاہوں کرا دوں۔جس کو چاہوں کسی پر مہربان کر دوں۔تم کیا جانو بھلا زعفران کی قدر۔''

''تم کون ہو آخر؟''شوکت نے اس کا کالر چھوڑ دیا۔

''بنا کر فقیروں سا بھیس ہم بھی غالب..تماشا اہلِ کرم دیکھتے ہیں۔''

''تو،تو آپ کوئی پہنچے ہوئے مجذوب ہو؟''شوکت نے معذرت طلب نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''ہم بہت دور تک پہنچے ہوئے ہیں۔ہم آدمی کو بکرا بلکہ گدھا بنا سکتے ہیں۔ہمارے قبضے میں دو ہزار موکل ہیں اور چار ہزار وکیل ہیں۔''

''وکیل؟''شوکت سوچ میں پڑ گیا۔

''تم شاید ایل ایل بی والے وکیلوں کا سوچ رہے ہو۔ہم اپنے خدمت گاروں کو وکیل کہتے ہیں۔''

''آپ کا نام کیا ہے؟''شوکت کے لہجہ میں لجاجت آ گئی۔

''لوگ ہمیں جالندھر شاہ ڈنڈا پیر کہتے ہیں۔''

''ڈنڈا پیر؟یانی کہ یہ نام؟''

''کیوں؟ تمہارے باپ کا اجارہ ہے۔ ہماری خوشی ہے ہم چاہیں تو اپنا نام پٹھانکوٹ رکھ سکتے ہیں، پھاوڑا پیر رکھ سکتے ہیں۔''

''شوک سے شوک سے۔''شوکت نے مرعوب لہجے میں کہا۔

''ہم آدمی کا ہاتھ دیکھ کر ماں کے پیٹ سے قبرستان تک کا حال بتا سکتے ہیں۔ہم بہت گریٹ آدمی ہیں۔''

''بے شک بے شک۔''شوکت نے سر ہلایا۔

''پری بیگم کے دماغ چوتھے آسمان پر رہتے ہیں۔ٹھیک ہے نا؟''

''جی آں،جیاں۔''

''وہ تمہیں اول نمبر کا گدھا سمجھتی ہے؟''

''جی آں...نئیں یانی کہ کیا...یانی کہ وہ خود گدھی سالی۔''

''اوہو۔ہم تو صرف اس کی فطرت بتا رہے ہیں، جو بدلی بھی جا سکتی ہے۔''

''بدلی جا سکتی ہے؟''شوکت نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ہم چاہیں تو وہ تمہارے سامنے دم ہلانے لگے۔''

''اللہ قسم؟''

''درایں شک۔''

''ارے تو خاں یار، کوئی نسخہ مسخہ بتاؤنا۔''

''ایک شرط۔''

''بولو بولو۔''

''میں جیسا کہوں ویسا کرنا پڑے گا۔اور جو گڑ بڑ کی تو سب الٹا ہو جائے گا۔''

''نہیں نہیں، گڑ بڑ کا کائے کو ہوگی۔''

''تو سنو، یہ عمل میں نے ایک پہاڑی پیر سے سیکھا تھا۔''اس نے کہنا شروع کیا اور شوکت ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''جس رات چاند پورا ہوتا ہے نا اس رات کو ۱۲ بجے۔''وہ سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔

''ہاں ہاں۔''شوکت نے سر ہلایا۔

''۱۲ بجے رات کو سب کی نظروں سے چھپ کر ننگے ہو کر گھر سے نکلو۔''

''یانی بالکل ننگے ہو کر۔یانی مادرزاد۔''

''نہیں صرف چڈھی پہن سکتے ہو۔ہاں تو گھر سے نکل کر بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتے ہوئے کالی گھاٹی کے مرگھٹ میں جاؤ۔''

''مرگھٹ میں کائے کو؟''

''سوال پوچھنے کی اجازت نہیں۔''اس نے ڈانٹ دیا۔''اور سنو، مرگھٹ میں داخل ہوتے وقت نعرہ لگانا، اوکلو تیلی، لاگڑ کی بھیلی۔نہیں تو میں چلا بانس بریلی۔''شوکت نے اس منتر کے الفاظ زیرِ لب دہرائے۔

''پھر اندر جا کر جتنا زیادہ تر ین مردہ جلا ہو اس کی راکھ بدن پر ملنا۔''

''باپ رے۔''شوکت کو جھرجھری سی آ گئی۔

''ڈر و گے تو پری بیگم زندگی بھر تم سے محبت نہیں کرے گی۔''

''اچھا پھر؟''

''اس مرگھٹ میں ایک بوڑھا برگد کا درخت ہے۔وہ راکھ مل کر اس پر چڑھ جانا اور ایک اونچی شاخ پر بیٹھ کر بلند آواز میں گانا ،جیا بے قرار ہے... چھائی بہار ہے... آ جا مورے

بالما تیرا انتظار ہے۔''

''مم...مگر یہ تو کسی فلم کا گانا ہے؟''

''اوہو۔تم اس گانے کی کشش کو بھول گئے۔کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ برسات میں جب نمی نے یہ گانا گایا تھا تو بیٹا پریم ناتھ کیسے دُم ہلاتے ہوئے چلے آئے تھے۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔''شوکت نے اقرار میں سر ہلایا۔

''تو بس سمجھ لو، پری بیگم کا بھی یہی حشر ہوگا۔''

''یعنی وہ مرگھٹ میں ہی آجائے گی؟''

''اوہو، آدمی ہو یا بقچو نچ۔بھئی، وہ تمہارے لیے اسی طرح تڑپے گی۔''

''اچھا تو پھر؟''

''پھر تم اسی برگد کے نیچے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ایک سو ایک بار یا اللہ تیرا شکر ہے کی رٹ لگانا اور کام ختم ہوتے ہی پیچھے دیکھے بغیر جتنی تیزی سے دوڑ سکو، دوڑ کر گھر آنا۔تمہیں اتنی ہی بے قراری سے پری بیگم تمہارا انتظار کرتی ملے گی۔بس پھر فتح تمہارے نصیب میں اور دعا اس فقیر کے نصیب میں، جس نے یہ نیک نسخہ عطا فرمایا۔''

''اچھی بات ہے۔''

''ہمت مرداں، مدد خدا۔مگر کام بن جائے تو ہمیں نہ بھولنا، ورنہ تختہ الٹ کر رکھ دیں گے۔''

''اے لو، یہ کوئی بھولنے والی بات ہے۔مم مگر؟''

''مگر کیا؟''

''نسخہ ذرا ٹیڑھا ہے۔''

''بیٹے، یاد رکھو ٹیڑھی کھیر ہمیشہ بڑی میٹھی ہوا کرتی ہے۔''

''میں بھی تمہارا منہ میٹھا کر دوں گا۔''

Akram Allahabadi

''اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔'' بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں کیا خدمت کروں آپ کی؟'' شوکت نے مرعوب لہجے میں پوچھا۔

''تم کیا کرو گے ہماری خدمت۔ یہ خدمتِ خلق تو ہمارا شیوہ ہے۔''

''تو پھر تم مجھ سے کب ملو گے؟''

''تم جہاں یاد کرو گے، ہم آپ سے آپ پہنچ جائیں گے۔''

''چلو میں تمہارے گھر تک اپنی گاڑی میں پہنچا دوں۔''

''خدا کی بنائی ہوئی زمین کا ہر سوراخ ہمارا گھر ہے۔ اور بار تو ہم اٹھاتے ہی نہیں، ہلکے پھلکے گھوما کرتے ہیں۔'' بالے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا خدا حافظ۔'' شوکت نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

''جیتے رہو۔'' یہ کہہ کر بالے اس کے دفتر سے نکل آیا۔ شوکت کے اسٹاف کے لوگ اسے حیرت سے دیکھتے ہی رہے، لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔ البتہ دربان نے اسے دیکھ کر جلدی سے راستہ دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مرمّت

اورینٹل کالج کے کمپاؤنڈ کے دروازے سے لڑکوں اور لڑکیوں کی بھیڑ نکل رہی تھی اوران میں سرلا بھی تھی۔اس کے ساتھ اس کی ایک کلاس فیلو اور بھی تھی جو گندمی رنگ کی ہلکی پھلکی سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی تھی۔کالج سے کچھ دور تنگ سڑک کے موڑ پر بالے اپنے اسی لباس میں موجود تھا۔اس کی نظروں نے سرلا کو اس ہجوم میں ڈھونڈھ نکالا،لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ چوڑی سڑک پر آ کر یہ بھیڑ چھٹتی چلی گئی۔اب وہ کافی فاصلے سے کالج کے ان لڑکوں کے ساتھ ساتھ اس طرح چل رہا تھا جیسے کوئی راہ گیر اپنی دھن میں راستہ طے کر رہا ہو۔ اس کے کان بہر حال ان کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔اسے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہ پیش آئی کہ ان میں سے چار لڑکے خاص طور پر سرلا اور اس کی سہیلی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ بالے کبھی ان کے قریب ہو جاتا کبھی دور ہو جاتا۔پھر کچھ اور لڑکے لڑکیاں پیچھے رہ گئے۔

''پروفیسر کو کیا کہتے ہیں؟'' ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

''سر۔''

''قانون کو کیا کہتے ہیں؟'' تیسرے نے پوچھا۔

''لا۔'' چوتھا بولا۔

''قانون کے پروفیسر کو کیا کہتے ہیں؟''

''سرلا۔'' پہلے نے جواب دیا۔

''ہائے سرلا۔کتنا زوردار ترجمہ ہے۔'' دوسرے نے سرد سانس کھینچی۔

سرلا نے پلٹ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر چلنے لگی۔

''تمہارا سر۔'' تیسرے نے اسے ڈانٹا۔

Akram Allahabadi

''حاضر خدمت ہے۔وہ ذرا ما نگ کر تو دیکھیں۔''دوسرے نے کہا۔

بڑی سڑک پر ایک جگہ دونوں لڑکیاں رک گئیں۔اور ان لڑکوں کو آگے بڑھ جانا پڑا۔ لیکن سرلا اس بار نمبر ۲ کو دیکھ کر مسکرائی ضرور تھی۔

''ہائے قتل ہو گئے۔''وہ سینے پر ہاتھ مار کر ساتھی پر گرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی، جنازہ اٹھاؤ نا اس کا۔''چوتھے ساتھی نے اسے سنبھالتے ہوئے دوسروں سے کہا۔

''یہ کمبخت تو روز اسی چوکھٹے پر مرا کرتا ہے۔سرے سے انقلاب کا قائل ہی نہیں ہے۔''تیسرے نے ہاتھ جھاڑ لیے۔

وہ بہر حال بدتمیزیاں کرتے آگے نکل گئے۔لیکن بالے کے نزدیک ان کی حرکتوں کی اہمیت شرارت سے زیادہ نہ تھی اس لیے اس نے اس پر توجہ نہ دی۔

سرلا کو شاید اس اس کے باپ کی کار لینے آیا کرتی تھی،لیکن آج یا تو کالج جلدی چھوٹا تھا یا کار کو آنے میں دیر ہو گئی تھی۔وہ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر اپنی سہیلی کے ساتھ کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی اور کار دیر تک نہ آئی۔یہاں تک کہ سڑک ایک بار سونی ہو گئی اور سرلا کی سہیلی بھی اس سے اجازت لے کر چلی گئی۔اب وہ اکیلی ہی تھی۔

بالے محض بہانے کی خاطر سامنے بس اسٹاپ میں جا کھڑا ہوا تھا اور اب تک دو بسیں چھوڑ چکا تھا۔

کافی دیر ہو گئی تھی اس لیے سرلا آہستہ آہستہ آگے چلنے لگی۔اسے کسی ٹیکسی کی تلاش تھی۔کیوں کہ بالے نے اسے دو تین ٹیکسیوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کرتے دیکھا تھا،لیکن ان کے میٹر گرے ہوئے تھے،اس لیے وہ نہ رکیں۔ٹھیک اسی وقت بالے نے اس کا منہ بنتے دیکھا۔دو جوان آدمی جو نوجوانی کی حد سے گزر چکے تھے،آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلنے لگے۔وہ پیچھے سے آئے تھے اور انھیں دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔سڑک

Akram Allahabadi

اس وقت سونی تھی اور بالے مقابل فٹ پاتھ سے سڑک پار کر کے ان کے پیچھے آ گیا تھا۔

''ہائے، کیا غضب کی چال ہے۔'' ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

''نہ جانے کب تک یہ ستم ڈھائے جائیں گے۔'' دوسرا ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''ارے بڑھنا، ڈرتا کیوں ہے؟'' پہلے نے دوسرے کی حوصلہ افزائی کی۔ اور دوسرا آگے بڑھ کر سرلا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اور گھبرا گئی۔ اس آدمی نے ہمت کر کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اب تو ضبط نہیں ہوتا، جانِ من۔'' وہ اس کے اور قریب ہوتے ہوئے بولا۔ لیکن دوسرے لمحے ہی اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ وہ فٹ پاتھ سے سڑک پر جا گرا۔ یہ دیکھ کر دوسرا بالے پر جھپٹ پڑا۔ لیکن ایک ہی گھونسے میں اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ پہلے نے اٹھ کر بہادری دکھانے کی کوشش کی لیکن دو چار گھونسوں میں ہی اسے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ وہ اس طرح سر پر پیر رکھ کر بھاگے کہ سڑک کے دوسرے سرے تک انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ بالے پلٹ کر سرلا کے پاس آ گیا۔

''تعجب ہے۔ گھر پر تو آپ اتنی تیز طرار تھیں، یہاں کیا ہو گیا تھا آپ کو؟''

''وہ کوئی بدمعاش تھے۔ کئی بار میرا پیچھا کر چکے ہیں۔'' سرلا نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

''آپ نے اگر ایک دن بھی پیر کی عزت ہاتھ میں لے لی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی۔''

''نہ جانے کیوں آج میری کار نہیں آئی؟''

ہو سکتا ہے گاڑی خراب ہو گی ہو یا کوئی اور بات ہو۔ چلیے میں آپ کو آپ کے بنگلے پر پہنچا دوں۔'' بالے نے راستے سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روک کر کہا۔

''شکریہ، میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ٹیکسی کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''اوہ، شاید میں اس قابل نہیں ہوں کہ ساتھ چل سکوں۔'' بالے نے لہجے میں اداسی

Akram Allahabadi

پیدا کر لی۔ ''تشریف رکھیے۔'' اس نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' سرلا اسے آپ سے خطاب کرتے ہوئے بولی۔

''جی کوئی بات نہیں۔ آپ تشریف لے جایے۔''

سرلا کچھ نہ بولی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے گرین سرکل چلنے کو کہا۔ ٹیکسی کے روانہ ہونے کے بعد بالے نے اس کا نمبر اپنی ڈائری میں نوٹ کیا اور پیچھے سے آتی ہوئی ایک دوسری ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گیا۔ وہ آدمی بھی جنہیں اس نے مار کر بھگایا تھا اس کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ اخباری اشتہارات والی حرکت اس قسم کے آدمیوں کی بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ معمولی قسم کے سڑک چھاپ عاشقوں کی نسل سے ہی معلوم ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

ابھی وہ ٹیکسی میں ہی تھا کہ اس کی کلائی پر آستین کے نیچے بندھی ہوئی گھڑی کے ڈائل پر سیکنڈ کی سوئی کا دائرہ روشن ہو گیا۔ اس نے کلائی کو کان سے لگا لیا۔ اس میں سے مہیں سی آواز اس کے کان میں سنائی دینے لگی۔

''ایس کے کالنگ ایس بی۔ ایس کے کالنگ ایس بی۔ فوراً سول ہاسپٹل پہنچ جاؤ، اوور۔ ریپیٹ.. ایس کے کالنگ ایس بی ریچ دی سول ہاسپٹل ایٹ ونس۔''

بالے نے گھڑی کی چابی گھما دی۔ سیکنڈ کی سوئی والا دائرہ پھر سفید پڑ گیا اور روشنی غائب ہو گئی۔

یہ ایک بالکل نئی اور بڑی کارآمد امریکی ایجاد تھی جسے وہاں جنگی حالات میں فوجیوں کے استعمال کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا ئز ٹرانسمیٹر تھا، جس پر سو (۱۰۰) میل کی حدود میں میڈیم ویوز (درمیانی ریڈیائی لہروں) پر ایک خاص سسٹم سے نشر کیے جانے والے پیغامات سنے جا سکتے تھے۔ اس کی شکل عام گھڑیوں سے کچھ ذرا بڑی دستی گھڑی سے بالکل ملتی جلتی رکھی

گئی تھی۔یہ ٹرانسمیٹر خاص طور پر محکمہ سراغ رسانی کے کیے امریکہ سے حاصل کیے گئے تھے۔ایسا ایک ٹرانسمیٹر محکمہ بھر میں صرف سپرنٹنڈنٹ خان کے پاس تھا دوسرا انسپکٹر ڈیسوز کے پاس اور تیسرا سارجنٹ بالے کے پاس۔اس میں نشری سسٹم بھی موجود تھا۔صرف ایک باریک سی راڈ جس کا اوپری سرا چابی کے پاس ہی نظر آتا تھا، گھڑی سے باہر نکال لینا پڑتا،اور چابی کو دائیں سمت گھما کر اس کی چھوٹی سی ریڈیائی بیٹری کو آن کر دیا جاتا۔پھر اس راڈ کے سرے کو کھلی ہوا میں رکھ کر کوئی بھی پیغام گھڑی کو ہونٹوں سے زیادہ سے زیادہ چار انچ کے فاصلے پر رکھ کر نشر کیا جا سکتا۔ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں بالے نے اس پیغام کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔صرف اسے وصول کر کے رہ گیا۔بہر حال اس نے ڈرائیور کو ہدایت کر دی کہ گاڑی کو سول ہاسپٹل لے چلے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عجیب لاش

سپرنٹنڈنٹ خان سول ہاسپٹل کے پوسٹ مارٹم تھیٹر کے باہر ہی موجود تھا۔لیکن اس میک اپ میں بالے اس سے براہِ راست گفتگو نہیں کرسکتا تھا،اس لیے وہ کسی ان جان آدمی کی طرح خان سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہوگیا۔خان اس وقت ایک ڈاکٹر سے گفتگو میں مشغول تھا۔اس نے بالے کو آنکھ سے اشارہ کردیا کہ وہ باہر کار میں جا بیٹھے۔

کچھ دیر بعد خان بھی آپہنچا۔وہ کچھ مضطر سا نظر آرہا تھا۔اس کے پیچھے انسپکٹر ڈیسوزا بھی تھا۔بالے پچھلے نشست پر ہی دبک گیا تھا۔گاڑی ہسپتال کے کمپاؤنڈ سے باہر آنے کے بعد جب وہ سیدھا بیٹھا تو ڈیسوزا اسے دیکھ کر چونک پڑا۔وہ اسے کیوں کہ اس میک اپ میں پہچان نہ سکا تھا۔اس لیے بے ساختہ سوال کر بیٹھا اور خان نے دانستہ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

''اے،کون ہو تم؟''

''مسٹر ہانسنس۔''بالے نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

''وہاٹ؟''ڈیسوزا کی تیوری پر بل پڑ گئے۔''تم گاڑی میں کیسا بیٹھا؟''

''دروازہ کھول کے جیسے سب بیٹھتے ہیں۔''

''صاحب، یہ کوئی غنڈہ معلوم پڑتا ہے۔''ڈیسوزا،خان سے یہ کہہ کر پستول پر ہاتھ ڈالنا ہی چاہتا تھا کہ بالے نے پیچھے سے لہجہ بدل کر رعب دار آواز میں کہا۔

''خبردار،ہاتھ نہ ہلایے ورنہ میرے ریوالور میں سات گولیاں ہیں۔''

ڈیسوزا کا ہاتھ وہیں رک گیا اور وہ خان کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگا۔مگر خان کے کان پر تو جوں تک نہ رینگی تھی۔

''ادھر کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ وہ آپ کا باس نہیں میرا باس ہے۔ایک سی آئی ڈی

انسپکٹر ہو کر اتنا میک اپ بھی نہیں پہچانتے؟

بالے کے اس جملے نے ڈیسوزا کو چونکا دیا۔ وہ بے اعتمادی کی نظروں سے خان کو گھورنے لگا اور خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ بالے نے واقعی ڈیسوزا کو شبہ میں ڈال دیا تھا۔ ''اوہ، دھوکا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''زبردست دھوکا۔ بلکہ فراڈ بلکہ چار سو بیس اور کم ہو تو آٹھ سو چالیس۔''

''تم لوگ کون ہے؟'' ڈیسوزا نے قطعی طور پر پریشان ہو کر پوچھا۔

''خدائی فوجدار۔'' بالے نے اکڑ کر کہا۔

''تو پولیس سے کائے کی فوجداری کرتا ہے تم لوگ۔ تم کو بھوت لمبا جیل ہوئینگا۔'' ڈیسوزا نے اپنی دانست میں انھیں دھمکی دی۔

''جتنا لمبا ہوئینگا اتنا اچھا ہوئینگا۔ ہم اس میں فٹ بال کھیلیں گا۔'' بالے ڈھٹائی سے بولا۔ مگر اب خان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ ڈیسوزا کی یہ کیفیت اس سے دیکھی نہ گئی۔

''بھی بس کرو، بالے۔'' وہ بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں نے تو ڈیسوزا صاحب کو سسپنس میں ڈال دیا تھا۔''

''یو اسٹوپڈ۔'' ڈیسوزا نے بے ساختہ اس پر اپنی ٹوپی کھینچ ماری۔

ڈیسوزا نے بے ساختگی میں یہ حرکت ہوئی تھی۔ ورنہ وہ خان کے سامنے بالے جیسی بے تکلفی کا اظہار کرنے کی جرأت کبھی نہ کرتا۔ وہ اس ڈسپلن کا پوری طرح پابند تھا جس کا لحاظ ایک انسپکٹر کو اپنے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے رکھنا چاہیے۔ ویسے خان اس کے لیے سخت کبھی نہ رہا تھا۔ اور اس وقت بھی اس نے اس کی اس حرکت پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ خود بھی اچھے موڈ میں تھا۔

Akram Allahabadi

''اچھا یہ بتایے خاکسار کو کیوں طلب فرمایا تھا؟'' بالے نے سنجیدہ ہو کر خان سے پوچھا۔

''تھوڑی سی خاک چھاننے کے لیے۔'' خان بولا۔

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ اس لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بہت حیران کن ہے۔''

''آپ مجھے سسپنس میں ڈال رہے ہیں۔''

''بات ہی ایسی ہے، بیٹے، کیا تم یقین کرو گے کہ اس آدمی کے سینے سے گوشت کی بجائے پلاسٹک کا دل برآمد ہوا ہے۔''

''یہ فرشتوں کی بھول ہو سکتی ہے۔''

''میں سنجیدہ ہوں بالے صاحب۔''

''تو اس نے کبھی آپریشن کروایا ہوگا۔''

''ابھی تک تو دنیا کے کسی کونے میں کوئی آپریشن ایسا ہوا نہیں ہے جس میں انسان کے پلاسٹک کا مصنوعی دل لگایا جا سکے۔ آخر تم اتنے جغرافیائی گدھے کیوں بن گئے ہو؟'' خان نے اسے جھاڑا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ شاید میڈیکل سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے، بلکہ میں نے کسی روسی خبرنامے میں پڑھا بھی تھا۔''

''تم نے مصنوعی پھیپھڑوں کے بارے میں پڑھا ہوگا یا دل کے آپریشن کے بارے میں جس کے دوران کسی روسی ڈاکٹر نے ایک مصنوعی دھڑکن والی مشین سے مریض کا دورانِ خون برقرار رکھا تھا، مگر وہ محض ایک تجربہ تھا اور صرف تھوڑے وقفے کے لیے۔'' خان نے بتایا۔

''ہو سکتا ہے کہ میری ہی عقل پر پتھر پڑ گئے ہوں۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔'' ڈیسوزا بھی بول پڑا۔

Akram Allahabadi

''ڈاکٹروں کی حیرانی بجا ہے، کیوں کہ وہ یہ بھی تصدیق نہیں کر پائے کہ مرنے والا اس مصنوعی دل کے ساتھ کتنے عرصے زندہ رہا ہوگا یا اس کی موت اسی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔'' خان بڑبڑانے لگا۔

''اور وہ تو کوئی بہت معمولی آدمی معلوم ہوتا تھا۔'' ڈیسوزا نے رائے دی۔

''ایسا بھی تو نہیں کہ کوئی بہت بڑی شخصیت ہو جس نے کسی غیر ممالک میں جا کر کوئی ایسا آپریشن کرایا ہو۔''

''پھر وہی بحث۔'' خان نے اسے ٹوک دیا۔ ''بالے، میں کہہ چکا ہوں کہ ابھی تک دنیا میں کہیں کوئی ایسا آپریشن کامیاب ہو ہی نہیں سکا ہے اور نہ ہی مستقل استعمال کے لیے کوئی پلاسٹک کا دل بنایا جا سکا ہے۔ ایسا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی شہرت پھیل جاتی۔''

''جی ہاں۔ دیکھیے نا وہ کسی روسی ڈاکٹر نے ایک کتے کے دو سر جوڑ دیے تھے۔'' بالے بول اٹھا۔

''پھر بہک چلے۔''

''میں تو بر سبیل تذکرہ عرض کر رہا تھا آپ خواہ مخواہ ناراض ہوتے ہیں۔'' بالے نے منہ لٹکا لیا۔ ''ڈیسوزا صاحب، گلیسرین پلیز۔ میں رونا چاہتا ہوں۔''

''چپ بیٹھو، بالے۔'' خان نے اسے ڈانٹا۔

''ہنسنا رونا ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔''

''میں تمہارے حق کی پیدائش کروں ابھی؟''

''آئی ایم شٹ اپ، سر۔ ہائے کمبخوں نے میرے بھی دو سر کیوں نہ پیدا کر دیے۔ ایک سر فرعون بن جاتا تو دوسرا کام آتا۔''

''سور، کیوں شامت بلا رہے ہو اپنی؟''

''ڈیوٹی۔ مجھے حکم دیجیے میں کام کرنا چاہتا ہوں۔'' بالے ایک دم مستعد ہو گیا اور اس

کی اس قلابازی پر واقعی خان کو ہنسی آ گئی۔

''بات کچھ اور بھی ہو سکتی ہے، ڈیسوزا صاحب۔'' خان پھر اپنی دھن میں کھو کر بڑبڑایا۔

''لیکن، سر، اس آدمی نے تو خودکشی کی ہے۔''

''یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ اس کی جیب سے برآمد ہونے والی تحریر خود اسی کی ہے؟'' خان نے کہا۔

''میں ابھی اس کی تصدیق کرائے لیتا ہوں۔'' ڈیسوزا نے جلدی سے کہا۔

''آپ کے تصدیق کرانے سے پہلے مجھے ایک بات معلوم ہو چکی ہے جو اس لاش سے زیادہ پراسرار ہے۔'' خان نے کہا۔

''یا خدا! یہ اسرار پھر شروع ہو گئے۔'' بالے آسمان کی بجائے کار کی چھت کو گھور کر بڑبڑایا۔ مگر ان میں سے کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ ڈیسوزا سوالیہ نظروں سے خان کی شکل دیکھ رہا تھا اور خان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ پھر وہ خود ہی بولا۔

''یہ آدمی ان آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس اشتہار کو پڑھ کر گرین سرکل گئے تھے۔'' اس نے کہا۔

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''میں نے گھاس نہیں کاٹی ہے، بالے صاحب۔ رؤف اس پتے پر آنے جانے والوں کی تصویریں لیتا رہا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''کمال ہے۔ یعنی آپ کسی واقعے کے ظہور میں آنے سے پہلے ہی مستعد ہو جایا کرتے ہیں۔'' بالے نے اپنے انداز سے گویا اظہارِ حیرت بھی کیا اور تعریف بھی۔

''آئی جی صاحب کا خیال تھا کہ اس گجراتی کی لڑکی کو بدنام کرنے کے لیے یہ کسی نے مذاق کیا ہے، لیکن میں شروع سے ہی اس خیال سے متفق نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے وہ

اشتہار شروع سے ہی کھٹک رہا تھا اور اسی لیے میں نے پیش بندی کی تھی۔"

"تو اس طرح تو آپ کی لسٹ پر اور بھی ہوں گے؟"

"نہ صرف ان کے فوٹو بلکہ ان کے نام اور پتے تک معلوم کیے جا چکے ہیں۔ اور اس وقت میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم جس قدر جلد ہو سکے ان سب کو چیک کرو کہ وہ کہاں ہیں۔ بلکہ ان سے مل کر معلوم کرو کہ گرین سرکل جانے کے بعد سے اب تک ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی واقعہ یا ان ہونی بات ہوئی ہے یا نہیں۔" خان نے بالے کو ہدایت کی۔

"کیا صرف یہ غلام ہی اس عظیم الشان خدمت کو انجام دے سکتا ہے؟ یہ نیک کام تو ابراہیم اسرار بھی کر سکتے تھے۔"

"کیوں، کیا میں خود انھیں آفس میں طلب کر کے نہیں پوچھ سکتا تھا؟ خان اسے گھورنے لگا۔ "تمہاری کھوپڑی میں ان دنوں گوبر کیوں بھر گیا ہے؟"

"اوہ، تو آپ کا مطلب ہے کہ گول یعنی ڈھکے چھپے؟"

"تم ان سے کسی اخباری رپورٹر کی حیثیت سے ملنا اور ان سے کہنا کہ تم انھیں گرین سرکل کے چکر لگاتے دیکھ چکے ہو۔"

"حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہوگا۔ میں نے ان کے فرشتوں کو بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"اور ڈیسوزا صاحب، آپ اس مرنے والے کے پسماندگان سے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے علاوہ اس کی تحریر چیک کیجیے۔" خان نے ڈیسوزا کو حکم دیا۔

"بہتر ہے۔"

"مجھے دونوں کی رپورٹیں جلد از جلد چاہئیں۔"

"لیکن آج شام کو مجھے اس سخی حاتم سے ملنا ہے۔"

"شام ہونے میں ابھی چھ گھنٹے باقی ہیں اور پھر ضروری نہیں کہ تم ان سب سے آج ہی مل لو۔ میں نے جلد از جلد کے الفاظ استعمال کیے ہیں، وقت کا تعین نہیں کیا ہے۔"

Akram Allahabadi

''او کے، باس۔''

کار ہیڈ کوارٹرز کے احاطے میں داخل ہو کر آفس کے سامنے رک گئی اور وہ گاڑی سے اتر کر زینہ طے کرنے لگے۔ آفس میں داخل ہوتے ہی خان نے سب سے پہلے میز کی دراز سے وہ فائل نکالا جس میں ان آدمیوں کے فوٹو تھے اور ساتھ ہی ان کے ناموں اور پتوں کی فہرست۔ اس نے ان میں سے ایک فوٹو نکال کر ڈیسوزا کے حوالے کر دیا۔

''یہ رہی مرنے والے کی تصویر اور یہ اس کا پتا۔''

ڈیسوزا نے دونوں چیزیں لے لیں۔

''اور یہ لو تم یہ فہرست اور فوٹو کاپیاں۔ احتیاط سے کام کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو اس سلسلہ میں پولیس کی سرگرمی کا شبہ بھی ہو۔'' خان نے بالے سے کہا۔

''تو اس کیس کے لیے کیا رپورٹ دی جائے؟'' ڈیسوزا نے خان سے پوچھا۔

''اگر تحریر مرنے والے کی ہی ثابت ہو تو اسے خودکشی کا کیس ہی قرار دیجیے۔ بلکہ مصنوعی دل والی بات بھی راز میں ہی رکھیے، تاوقتیکہ ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچ جائیں۔''

''اور جوان ڈاکٹروں میں سے کسی نے کسی پریس والے سے کہہ دیا؟ یہ ڈاکٹر لوگ پیٹ کے بڑے ہلکے ہوتے ہیں۔ روز جلاب لیا کرتے ہیں تاکہ...''

''اب تم علمِ صحت پر لکچر شروع کر دو۔''

''میں تو ان کی فضیلت بیان کر رہا تھا۔''

''بس اب جاؤ، کام کرو۔''

خان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بالے اور ڈیسوزا اس کا مطلب سمجھ گئے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور پھر ایڑیاں بجا کر خاموش سلام کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ خان کے سامنے ہر ٹرے میں کاغذات کے ڈھیر تھے جنھیں وہ یکے بعد دیگے دیکھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مغالطہ

بالے جب واپس لوٹا تو خان بنگلے پر موجود تھا۔ آج وہ آفس سے کچھ جلدی ہی گھر آ گیا تھا۔ غلام رسول نے اس وقت شام کی چائے سامنے لا کر ہی رکھی تھی کہ بالے پہنچ گیا۔

بڑے وقت پر آیا، ورنہ یہ بھی نصیب نہ ہوتا آج۔"

"کیوں؟ بڑے ہل جوت ڈالے ہیں آج کیا؟"

"نہ پوچھیے، مجھے تو کسی شاعر کا وہ شعر یاد آ رہا ہے۔ یعنی کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔"

"میری ادائیں ذرا فولادی قسم کی ہوا کرتی ہیں۔"

"میں نے ایک مصرع عرض کیا تھا۔"

"میں مصرع ثانی عرض کیے دیتا ہوں۔"

"خدا کے لیے پہلے ایک سینڈوچ تو حلق سے اتار لینے دیجیے۔ بھوک سے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

"نہیں پہلے مجھے رپورٹ چاہیے۔"

"میں بہت بھوکا ہوں۔"

"پہلے رپورٹ۔"

"اچھا تو سنیے۔ ان آٹھ آدمیوں سے ایک بھی اپنے دولت خانے پر نہیں۔ کوئی دو دن سے غائب ہے، کوئی تین دن سے، کوئی کل سے۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے گھر والوں کو یہ سمجھا کے گیا ہے کہ وہ اس کی غیر حاضری سے پریشان نہ ہوں اور کوئی یہ بتا کر نہیں گیا کہ کہاں جا رہا ہے۔" بالے نے بتایا اور خان چونک پڑا۔

Akram Allahabadi

''تب ضرور وہ پھنس گئے۔میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔''

''کہاں پھنس گئے؟ کون پھنس گئے؟''

''بالے صاحب،ان سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ایک دو نہیں آٹھ آدمیوں کی۔''خان کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

''وہ کس طرح؟''

''بالکل اسی طرح جس طرح آج ہمیں وہ لاش ملی ہے۔''

''یعنی ان کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے؟''

''میں یہی سمجھتا ہوں۔''

''تعجب ہے۔تو پھر آپ کوئی اقدام کیوں نہیں کرتے؟''

''کس کے خلاف؟ کیا تم اسے معمولی دماغ کا کام سمجھ رہے ہو۔یہ تو کوئی بہت خطرناک سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔''

''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

''نہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم پبلک کے جان و مال کی حفاظت کریں۔ہمیں کسی طرح انھیں بچانا ہوگا۔''

''کیسے بچانا ہوگا؟ کس سے بچانا ہوگا؟ یہ بھی تو معلوم ہو؟''

''او گدھے، یہی معلوم ہو جاتا تو بات ہی اتنی کیوں الجھتی۔ایک اشتہار اور ایک لاش جس کا دل مصنوعی تھا۔کیا اس کے سوا کچھ اور ملا جس سے ہم کسی اندازے پر بھی تیر چلا سکیں؟''خان یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

''اور وہ آج جو وہ حاتم طائی مجھ سے مل رہا ہے کام دلانے کے لیے۔''

''ہاں،سردست وہی ایک امکان ہے۔شاید وہ اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہو۔''خان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''مجھے پھر سے میک اپ کرنا پڑے گا۔''

''جلدی سے ناشتہ کر کے تیاری کر ڈالو۔تب تک میں بھی کپڑے بدلتا ہوں۔''

''کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے؟''

''یہ کس بے وقوف نے کہا آپ سے؟''

''آپ کے الفاظ سے ہی اندازہ کیا تھا۔''

بالے یہ کہتا ہوا بغیر مکھن لگے بسکٹ ہی اوپر تلے منہ میں بھرنے لگا۔خان کچھ بولا نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

بالے اس ہوٹل میں سات بجنے سے پانچ منٹ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ہوٹل والے نے اسے پہچان لیا۔اس نے اسے ناخوشگوار نظروں سے دیکھتے ہوئے پہلے ہی ٹوک دیا۔

''پیسے ویسے ہیں جیب میں؟''

جواب میں بالے نے جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اور چاہیے؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ٹیبل والا، دیکھو بابو جی کیا منگتا؟'' ہوٹل والا اپنے نوکر کو آواز دے کر بالے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔بالے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ٹیبل والا پاس آ کھڑا ہو گیا۔

''آج تو مال لائیلا ہے، یار۔'' وہ بالے سے ہنس کر بولا۔بالے نے جواب نہیں دیا۔''کیا لاؤں، چائے کہ کچھ اور؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ابھی تو صرف چائے۔پھر دیکھا جائے گا۔'' بالے یہ کہہ کر دروازے کی طرف

دیکھنے لگا۔سات بجنے میں دو منٹ رہ گئے تھے۔پھر یہ دو منٹ بھی گزر گئے۔اس کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔ٹھیک سات بج کر ۵ منٹ پر ہوٹل کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور اس میں سے وہی کل والا آدمی اترا۔اس نے پہلے جھانک کر ہوٹل میں دیکھا۔ بالے اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔لیکن وہ خود اندر آ گیا۔

''بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔چائے پی لو۔''اس نے قریب آ کر سامنے والی کرسی پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔اور بالے ابھی لائی گئی چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

''دیکھو، میں نے اپنے دوست سے بات کی تھی۔وہ تمہیں کام کرنے کا موقع دینے کو تیار ہے۔''وہ بالے سے بولا۔

''بہت بہت شکریہ آپ کا۔''بالے نے خوشی کی چمک آنکھوں میں پیدا کر کے کہا۔

''یہ لو اس پتے پر چلے جاؤ۔آٹھ بجے تک تم اس سے مل سکتے ہو۔لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔''وہ کاغذ کا ایک پرزہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''کہیے، کہیے۔''بالے نے بے قراری سے پوچھا۔

''یہی کہ تم اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرو گے۔میں نہیں چاہتا کہ بے روزگار لوگ مجھے پریشان کرنے لگیں اور میرا دوست بھی سفارشیں قبول نہیں کر سکے گا۔''اس نے کہا۔

''میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔اپنے گھر تک میں نہیں کہوں گا۔میں وعدہ کرتا ہوں۔''بالے نے جلدی سے کہا۔

''شاباش۔اب تم جا سکتے ہو، اچھا۔''یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بغیر کسی طرف دیکھے ہوٹل سے نکل کر سیدھا اسی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔بالے نے کاغذ کے اس پرزے پر نظر ڈالی۔اس پر لکھا تھا 'ایم ڈومینک، سیکنڈ فلور ۳۷، ہنومان اسٹریٹ'۔بالے نے کاغذ کو اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ہوٹل والے نے چائے کے پیسے کاٹ کر باقی پیسے اسے لوٹا دیے۔اور وہ بھی ہوٹل سے باہر نکل آیا۔یہیں اسے ٹیکسی تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش

Akram Allahabadi

آئی ۔مگر اس کا ذہن خان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔وہ کہاں ہوگا؟اور اس وقت اسے اس بات کا شدت سے احساا ہوا کہ کاش کوئی اور بھی یہاں موجود ہوتا تو اس اجنبی کا تعاقب ہی کرسکتا۔لیکن پھر اس کی یہ فکر آپ سے آپ دور ہوگئی۔جب اسے خیال آیا کہ خان اس کے پیچھے ہی گھر سے نکلا تھا۔وہ یقیناً غافل نہیں رہ سکتا۔

ہنومان اسٹریٹ اگرچہ شہر کی گھنی آبادی سے دور مشرقی حصے میں واقع تھی،لیکن ٹیکسی والوں کے لیے کوئی ان جانی جگہ نہ تھی۔بالے کو ٹیکسی ڈرائیور سے صرف ہنومان اسٹریٹ ہی کہنا پڑا۔اور پندرہ منٹ کے بعد ہی اس کی ٹیکسی ہنومان اسٹریٹ پہنچ گئی۔اس نے سڑک کے داخلی موڑ پر ہی ٹیکسی رکوالی اور اتر گیا۔بل ادا کرنے کے بعد وہ پیدل ہی چلنے لگا۔اس نے دوطرفہ عمارتوں کے دروازوں پر لگے ہوئے نمبروں سے اندازہ لگالیا تھا کہ ۳۷ نمبر کافی آگے ہے۔ سڑک کے اول وقت میں ہی سونی تھی۔اکا دکا آدمی چلتے پھرتے نظر آجاتے۔یا کوئی پرائیوٹ کار گزر جاتی۔

وہ ۳۷ نمبر کی ایک دومنزلہ عمارت کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔اس کے باہر لوہے کی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔دروازے کے اندر تختیاں لگی ہوئی تھیں،جن میں سے ایک پر لکھا تھا ''ایم ڈوبینک سیکنڈ فلور''۔یہاں کوئی دربان بھی موجود نہ تھا۔بالے سیڑھیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا اور دوسری منزل پر ایک فلیٹ کے دروازے پر ایم ڈوبینک نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔اس نے کال بیل کا بٹن دبایا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ایک منٹ بعد ہی ایک موٹی سی سیاہ فام آپا نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

''کون ہے؟کیا ہے؟''اس نے دونوں سوال ایک ساتھ کرڈالے۔

''ڈوبینک صاحب سے ملنا ہے۔''

''ہونہہ۔''اس نے اسے سر سے پیر تک نفرت انگیز نظروں سے گھورا اور برا سا منہ بنا کر بولی۔''صاحب اندر نہیں ہے،وہ کشمیر گیا ہوا ہے۔''

''کشمیر گیا ہوا ہے؟'' بالے نے چونک کر دہرایا۔ ''کب سے؟''

''ایک مہینہ ہو گیا ہے۔''

''کب آئے گا؟''

''دو مہینے کے بعد۔ مگر تم کائے کو سب پوچھتا، اپنا کام کرو۔''

''کیا اور کوئی بھی نہیں گھر میں؟'' بالے نے سوال کیا۔

''مسّی بابا ہے۔ پن وہ کسی سے مُحیں ملتا۔''

''ارے مگر مجھے ڈومینک صاحب کے دوست نے بھیجا ہے۔''

''کوئی مسکھری کیا ہوگا تم سے۔'' یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی، مگر بالے نے ٹانگ دروازے میں اڑا دی۔

''میں تمہارے مسّی بابا سے ملوں گا۔''

''ارے؟'' وہ چونک پڑی۔ ''تم جیل جانا منگتا کیا؟ اِدر بدمعاشی نہیں چلے گا۔ یہ شریف لوگ کا بستی ہے۔'' وہ اسے گھورنے لگی۔

''میں بدمعاش نہیں ہوں، صرف غریب آدمی ہوں۔'' بالے نے کچھ اس انداز سے یہ جملہ ادا کیا کہ اسے رحم آ گیا۔

''اچھا، ٹھہرو، ہم بولتا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی جو شکل بالے کو دروازے پر نظر آئی وہ چوندھا دینے والی تھی۔ وہ سفید رنگ کی بہت خوبصورت لڑکی تھی اور اپنی سادہ گھریلو پوشاک میں بھی بلا کی پرکشش معلوم ہو رہی تھی۔

''کیا ہے؟'' اس نے آگے آتے ہی پوچھا۔

''ڈومینک صاحب کے دوست نے یہ چٹھی دیا ہے۔''

''کون دوست؟ کیسے دوست؟'' لڑکی نے یہ کہہ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ کا پرزہ لے لیا، مگر اس پر صرف پتا لکھا تھا۔

Akram Allahabadi

''کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ گرم ہو گئی۔

''مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ یہاں مجھے ایک مناسب کام مل جائے گا۔''

''کیسا کام؟ تمہیں دھوکا ہوا ہے یا دھوکا دیا گیا ہے۔ میرے ڈیڈی کا کوئی ایسا بزنس نہیں جس میں آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہو۔''

''تو ہو تو پھر ہو سکتا ہے مجھے دھوکا دیا گیا ہو۔ نہ جانے کیوں لوگ مصیبت کے ماروں سے اس قسم کا مذاق کرتے ہیں۔'' بالے یہ کہہ کر بڑی غمگین صورت بنا کر پلٹنے لگا، جس پر شاید اس لڑکی کو کچھ رحم آ گیا۔

''ٹھہرو۔'' اس نے نرم لہجے میں اسے پکارا اور بالے ٹھہر گیا۔

''تمہیں کس قسم کی نوکری چاہیے؟''

''سوال میری پسند کا نہیں، میں ضرورت مند ہوں اور جو کام ملے گا کروں گا۔''

''خیر، دیکھو میں اپنے ایک رشتے کے انکل کو فون کر کے پوچھتی ہوں۔ شاید وہ تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔ ان کی فرم کافی بڑی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔'' یہ کہہ کر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلی گئی اور بالے کو وہیں ٹھہرنا پڑا۔ کیوں کہ وہ آیا اب بھی سامنے کھڑی اسے گھور رہی تھیں۔

لڑکی تقریباً دو منٹ بعد ہی لوٹ آئی۔ اس عرصے میں وہ موٹی آیا اس طرح چوکیدار بنی سامنے کھڑی رہی تھی، جیسے واقعی اگر اس کی نظر چوکی تو بالے کچھ چرا کے لے بھاگے گا۔ کم از کم اس کی مستعدی کا انداز کچھ ایسا ہی تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ان کے پاس کوئی جگہ خالی نہیں ہے، لیکن انہوں نے خیال رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ تم کچھ دنوں کے بعد آ کے معلوم کرنا۔'' لڑکی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''بہت شکریہ، مَسّی بابا۔'' بالے نے خوشامدانہ انداز میں کہا

''ہائیں، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔'' وہ چونک پڑی۔

''ابھی آیا سے سنا تھا۔'' بالے معصومیت سے بولا۔

''اوہ، خیر تم جا سکتے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے پر لوٹ گئی اور آیا نے برا سا منہ بنا کر دروازہ بند کر لیا۔ بالے چند سیکنڈ تک وہیں کھڑا ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر کچھ سوچتا ہوا لوٹ پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

کیبن میں

خان نے اپنی کار ایک کھٹکے سے روک لی۔ وہ پستہ قد اجنبی ٹیکسی سے اتر رہا تھا۔ ٹیکسی ہائی وے ہوٹل سے کچھ فاصلے پر رکی تھی اور وہ اسے رخصت کر کے پیدل ہی اس کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگا۔ خان نے اپنی کار اس طرح عمارت کے دروازے کے قریب روکی تھی جیسے وہیں آیا ہو۔ پھر وہ کار سے نکل کر دیوار سے لگ کر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ہائی وے ہوٹل شہر کے مشرقی سرے پر واقع تھا اور جگہ کیوں کہ پرسکون تھی، اس لیے یہاں شہر کی اونچی سوسائٹی کے لوگ ہی آیا کرتے تھے۔ ہوٹل مغربی طرز کی ایک تفریح گاہ تھی، جہاں غیر قانونی شراب سے لے کر بہکی ہوئی جوانیاں تک فروخت ہوتی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں اسے دولت مندوں کی عیاشی کا اڈہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ خان اس تفریح گاہ میں ہونے والی ان غیر قانونی حرکتوں سے بھی بے خبر نہ تھا۔ لیکن ایک تو خود بہت سے سرکاری افسر یہاں تشریف لایا کرتے تھے، دوسرے یہ سب کچھ اس طرح ہوتا کہ قانون کے ہاتھ بروقت اس تک نہ پہنچ پاتے۔

"بہرحال جب وہ لاپرواہی کے انداز سے چلتا ہوا اس ہوٹل میں داخل ہوا تو نچلے ہال میں ہی اسے کاؤنٹر کے قریب وہ آدمی نظر آ گیا۔ وہ کسی کو فون کر رہا تھا اور کاؤنٹر کلرک فون سے دور بیٹھا رجسٹر میں کچھ اندراج کر رہا تھا۔ فون کرنے کے بعد وہ آدمی کاؤنٹر سے ہٹا اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا ہال کے درمیان سے گزرتا کیبن نمبر ۷ میں داخل ہو گیا۔ خان نے دیکھا کیبن کے بیرونی بورڈ پر سرخ روشنی نمودار ہو گئی، جس کا مطلب تھا کہ یہ کیبن اب خالی نہیں ہے۔ لیکن اس کے پاس والی کیبن خالی تھی۔ خان بھی ہال کے ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا اس کے پاس والی نمبر ۸ کی خالی کیبن پر پہنچ گیا۔ لیکن جب وہ اندر جانا چاہتا تھا، ایک بیرے نے

اسے روک دیا۔

''صاحب، یہ کیبن صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جن کے ساتھ فیملی یا کوئی عورت ہو۔'' وہ بولا۔

''لیکن ابھی ابھی تو ایک آدمی نمبر ۷ میں اکیلا گیا ہے۔''

''اوہ، وہ مہندر صاحب ہیں۔ وہ اکثر یہاں آیا کرتے ہیں، مگر اکیلے نہیں۔ کبھی وہ پہلے آجاتے ہیں اور کبھی وہ لڑکی جوان کے ساتھ اس کیبن میں بیٹھتی ہے۔'' بیرے نے بتایا۔

''یہ مہندر صاحب کون ہیں؟'' خان نے چپکے سے پانچ کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''کوئی دولتمند آدمی ہی معلوم ہوتے ہیں، اس سے زیادہ تو میں بھی نہیں جانتا، صاحب۔ مگر پہلے تو وہ یہاں بہت کم آتے تھے۔ اب دوسرے تیسرے ضرور آجاتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''صرف وہی لڑکی ان سے ملنے آتی ہے یا کوئی اور بھی؟''

''شاید کبھی کوئی دوست بھی ان کے ساتھ جا بیٹھتا ہے۔ میں نے اس بات پر ٹھیک سے غور نہیں کیا ہے۔''

''خیر، لیکن میری بھی ایک دوست لڑکی مجھ سے ملنے آنے والی ہے اور اس لیے میں بھی کیبن میں جا بیٹھنا چاہتا تھا۔ کیا کوئی صورت نہیں؟ مجھے اس طرح عام لوگوں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔'' خان نے اس سے کہا۔ جس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

''صرف ایک ہی صورت ہے، صاحب۔'' وہ چونک کر بولا۔ شاید کوئی تجویز اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔ خان سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''میں ایک لڑکی کو یہاں بھیج دیتا ہوں، کچھ دیر کے لیے۔'' وہ خان کے کان کے پاس سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ''مگر بیس روپے ہوں گے۔ لڑکی بھی کوئی ایسی ویسی نہ ہوگی۔''

Akram Allahabadi

اس نے کہا۔

''بیس؟'' خان بظاہر سوچ میں پڑ گیا۔ ''اچھا، خیر بھیج دو۔'' خان نے یہ کہہ کر اسے دس دس کے دو نوٹ دے دیے۔

جواب میں بیرا اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا اور خان اس خالی کیبن میں داخل ہو گیا۔ لیکن اتنی آہستگی سے کہ دوسرے کیبن والے کو اس کے وجود کا احساس بھی نہ ہو۔ یہ کوشش سردست بے سود ہی تھی، کیوں کہ وہ آدمی کیبن میں اکیلا ہی تھا۔ اور پھر کچھ دیر بعد وہ لڑکی بھی آنے والی تھی جسے بھیجنے کا وعدہ کر کے بیرا گیا تھا۔ وہ اطمینان سے کرسی پر بیٹھ کر اس باریک سی دروازے سے دوسری کیبن میں جھانکنے لگا جو پلائی وڈ کا تختہ سکڑ جانے سے پیدا ہوئی ہو گی۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد بیرا آ پہنچا۔ اس کے ساتھ ایک بیس بائیس سال کی تندرست سی جوان لڑکی تھی، جو ناک نقشے سے تو درست تھی لیکن اس کے چہرے پر ایک قسم کا روکھا پن سا نمایاں تھا۔ ایک بے زاری جو دکھاوے کی مسکراہٹ کی آڑ میں چھپی ہوئی تھی۔ بیرا اسے کیبن ی ں داخل کر کے چلا گیا۔ لڑکی نے ایک نظر خان پر ڈالی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کا پانی مر چکا تھا اور اجنبی ہونے کے باوجود اسے خان سے نظریں ملائے رہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوئی۔ پھر وہ خود ہی ہنس پڑی جیسے پرانی شناسا ہو۔

''بیٹھ جاؤ۔'' خان نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اور نہ جانے کیوں وہ اس انداز تخاطب سے مرعوب ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

''تم یہاں کیا کرتی ہو؟'' خان نے میز پر کہنی ٹک کر اس سے سوال کیا۔ جس کے جواب میں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے موتیوں جیسے دانت اور کوئی ہوتا تو اسے اس وقت ضرور بھلے لگتے۔ بلکہ شوکت تو شاید انھیں دیکھ کر 'بنا کا ٹوتھ پیسٹ' کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہہ ڈالتا۔ بہر حال خان کو اس کی اس ہنسی پر کراہیت سی محسوس ہونے لگی۔

''کم از کم بات کرنے کا سلیقہ تو ہونا چاہیے تم میں۔''

''سلیقہ؟'' وہ اچانک سنجیدہ ہوگئی۔''ہوس کے سودے میں سلیقے کی کیا ضرورت ہے؟''

''میں نے تمہارا کوئی سودا نہیں کیا ہے۔میں نے تمہیں صرف یہاں بیٹھنے کے لیے بلایا ہے۔''خان نے نرمی سے کہا۔

''صرف؟''اس نے خان کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔اور جب بیٹھے ہیں تو باتیں کرنے میں کوئی جرم نہیں۔''

''اوہ،شاید میں آپ کو پسند نہیں ہوں۔''وہ اداس ہوگئی۔

''میں یہاں کسی کو پسند کرنے نہیں آیا۔بس یوں ہی تفریحاً کچھ دیر بیٹھنا چاہتا ہوں'' وہ بولا۔

''تفریحاً۔''لڑکی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔''تو میں اور کیا کہہ رہی تھی۔''

''تم غلط سمجھیں۔میری تفریح تمہارے جسم سے نہیں ہوگی۔بس کچھ دیر یہاں سکون سے بیٹھنا ہی میری تفریح ہے۔لیکن...''وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''لیکن کیا؟''لڑکی نے سوال کیا۔

''لیکن تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ تم اس زندگی سے خوش نہیں ہو؟''

''خوشی اور ناخوشی کا کوئی سوال ہی نہیں۔زندہ رہنے کے لیے کبھی انسان کو سب کچھ بیچ دینا پڑتا ہے۔''

''لیکن یہ ایک غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔''

''غیر اخلاقی؟ ہونہہ۔''وہ اپنے ہونٹ چبا کر بولی۔''شاید آپ یہ بھی نہ سمجھا سکیں گے کہ اخلاق ہے کیا چیز؟ جب کہ اخلاق کے بڑے بڑے چودھری ان ہی سیاہ خانوں میں ننگے ناچا کرتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''تم تو پڑھی لکھی بھی معلوم ہوتی ہو؟''

''جی ہاں، میں کالج اسٹوڈنٹ تھی۔''

''تھی؟ کیا مطلب؟'' خان چونکا۔

''مطلب اخلاقیات کے ان ہی سرچشموں سے ہے جہاں اونچی تعلیم کی آڑ میں آوارگی کا بدترین ماحول ملتا ہے۔ جہاں پروفیسر شعروسخن کی تشریح کی آڑ میں جوان لڑکوں اور لڑکیوں میں عشق ومحبت کے جذبات بھڑکاتے ہیں۔ جہاں مخلوط تعلیم کی آزادی جنسی رجحانات کو فروغ دیتی ہے اور جہاں شرم وحجاب جیسی کوئی نسائیت لڑکیوں میں باقی نہیں رہنے دی جاتی۔ میں بھی اخلاقیات کے ایک ایسے مرکز کی پیداوار ہوں جس کا نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''وہ آزادی تو صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ تم خود اپنا برا بھلا سوچ سکو۔''

''دور سے لوگ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالاں کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جوانی اندھی ہوا کرتی ہے۔ اور خصوصاً ایسے ماحول میں جہاں ایک لڑکی اور لڑکے کے ملاپ کے ہزار مواقع موجود ہوں۔'' لڑکی نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''خیر، میں اس ناخوشگوار بحث کو طول دینا نہیں چاہتا۔ اگر ہو سکے تو کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھو۔'' خان کے لہجے میں اکتاہٹ ابھر آئی اور لڑکی کے چہرے پر بے زاری کے آثار۔

''آپ دوسروں سے صرف اس قدر مختلف ہیں کہ ان کی نظروں میں ہوس جھلکتی ہے اور آپ کی نظروں میں نفرت۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

خان کے کان اس وقت اس کیبن کی طرف لگے ہوئے تھے، جہاں اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ اس نے پارٹیشن کی بارک دراز سے جھانکا۔ اس وقت وہ آدمی اس کیبن میں اکیلا نہ تھا۔ وہاں ایک خوبصورت سی نوجوان لڑکی اور موجود تھی، سرخ وسفید رنگ کی۔ لڑکی کا چہرہ اسے ان جانا معلوم ہوا۔ لیکن اس کے انداز گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس آدمی سے کافی مرعوب ہے۔ وہ جو گفتگو کر رہے تھے آسانی سے اس کیبن میں دراز سے کان

لگا کر سنی جا سکتی تھی۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ ''مجھے وہ آدمی مشتبہ معلوم ہوتا تھا۔''

''مطمئن تو میں بھی نہیں تھا اس کی طرف سے۔لیکن تمہیں ریگی کو فون کرنے کی بجائے مجھے اطلاع دینی تھی۔''

''میں نے سوچا دیر نہ ہو جائے اور پھر یہ یقینی بات تو نہ تھی آپ یہاں پہنچ ہی گئے ہوں گے۔''لڑکی نے کہا۔

''ریگی نے کیا جواب دیا؟''

''صرف اتنا ہی کہ میرے آدمی اس سے سمجھ لیں گے۔''

''خیر، لیکن اسے تم پر تو کوئی شبہ نہیں ہوا؟''

''کسے؟اس آدمی کو؟نہیں، اسے تو میں نے بڑے اطمینان سے ٹالا تھا''۔

''لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ کوئی مشتبہ آدمی ہے۔''

''میری جو سمجھ میں آیا، وہ میں نے کر دیا۔لیکن اگر میرا شبہ غلط ہوا تو اس سے کوئی نقصان تو نہ ہو گا؟''

''اب چھوڑو ان باتوں کو۔بولو، کچھ پیو گی؟''

''جی نہیں۔بلکہ بہتر یہ ہو گا کہ آج میں جلدی چلی جاؤں۔ممکن ہے کسی کو میرے گھر سے غائب ہونے پر شبہ ہو۔''

''تم آج ڈری ہوئی نظر آ رہی ہو؟''

''جب تک اس آدمی کا کردار صاف نہیں ہو جاتا، مجھے ایک ڈر سا لگا ہوا ہے۔''

''اوہ، یہ بچوں جیسی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ہم قانون کی گرفت سے بہت دور ہیں۔بہت دور۔''

''شاید۔''لڑکی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

Akram Allahabadi

''اب تک یا تو اس کا معاملہ صاف ہو چکا ہوگا یا اس کی حیثیت ۔تم کسی بات کی فکر مت کرو'' اس نے اس انداز سے یہ جملہ ادا کیا جیسے اس سلسلے میں مزید گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو۔

پھر کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔اس عرصے میں شاید کوئی بیرا وہاں آ پہنچا تھا، جسے اس آدمی نے دو پیگ برانڈی لانے کا آرڈر دیا اور شاید ساتھ ہی کچھ اور۔

وہ لڑکی اس عرصے میں خان کو غور سے دیکھ رہی تھی ۔بالآخر جب وہ اس کی طرف گھوما تو وہ پوچھ بیٹھی۔

''دوسروں کے خلوت میں جھانکنا بری بات ہے۔''

''دنیا میں کئی بری باتیں باعثِ عبرت بھی ہوا کرتی ہیں۔''

''تو آپ ادھر دیکھ کر کچھ عبرت حاصل کر رہے تھے؟'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''شاید۔'' خان بھی مسکرا دیا۔''میں صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ ان کیبنوں میں کیوں آتے ہیں؟''

وہ ابھی یہیں تک کہہ پائے تھے کہ کیبن کا دروازہ کھلا اور وہی بیرا اندر جھانکنے لگا۔

''کچھ چاہیے، صاحب؟'' اس نے پوچھا۔جواب میں خان لڑکی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''جو آپ کی مرضی۔'' لڑکی آہستہ سے بولی۔

''بس یوں ہی کچھ کیک پیسٹری وغیرہ لے آؤ۔''

''اور پینے کو کچھ؟'' بیرے نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اسی...'' خان چونکا، پھر مسکرا دیا۔''نہیں صرف چائے۔''

بیرا چلا گیا اور تقریباً دس منٹ بعد لوٹا ۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جو اس نے ٹیبل پر رکھ دی اور واپس چلا گیا۔

''لیکن ابھی وہ چائے پی ہی رہے تھے کہ پاس والے کیبن میں کرسی کھسکنے کی آواز سن

کر خان چونک پڑا۔ پھر اسے کسی کے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر ٹرے میں ڈالا اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بیرے کو بل چکا دینا۔'' وہ لڑکی سے بولا۔ لیکن وہ وہاں سے ہل نہ سکا کیوں کہ لڑکی اچانک اس کے گلے میں باہیں ڈال کر لٹک گئی۔

''مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔ میں اس جہنم میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''اوہو، میں کوئی اصلاحات کا ٹھیکیدار نہیں ہوں۔ تم خود اپنے لیے سیدھا راستہ کی تلاش کرو۔'' خان نے اس کے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ بری طرح گلے کا ہار بنی تھی۔ اس آسانی سے اس کے ہاتھ چھڑائے نہ جا سکے۔

''آپ مجھے یہاں سے نہ لے جائیں گے تو میں اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ ضد کرنے لگی۔

خان کے لیے اس قدر موقع ہی نہ تھا کہ وہ اس کے جذبات کی صحت یا تصنع کو جانچنے کی کوشش کرتا۔

اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گردن کی پشت سے چھڑاتے ہوئے اسے پیچھے ڈھکیل دیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ ہال سے نکلتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسے کیبن کے دروازے پر کھڑی گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے زاری برس رہی تھی۔

باہر آتے ہی اس کی نظریں چاروں طرف اس آدمی اور اس لڑکی کو تلاش کرنے لگیں۔ لیکن ان کا پتا نہ تھا اور نہ ہی کمپاؤنڈ میں پارک کی گئی اتنی بہت سی کاروں میں یہ اندازہ لگانا آسان تھا کہ ان میں سے کون سی ابھی یہاں سے نکل کر اور کس طرف گئی ہے۔ یہاں اس وقت کوئی دربان بھی نہ تھا۔ پھر بھی وہ تیز قدم اٹھاتا اس کے احاطے سے نکل آیا۔ سڑک پر اسے ایک اندھا فقیر نظر آیا، جو فٹ پاتھ کے کنارے ٹھٹھوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ خان اس کے

نزدیک پہنچ کر رک گیا۔اس نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر ایک اکنی رکھ دی۔

''کیوں بابا، ابھی اس احاطے سے کوئی کار نکل کر گئی ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''بابا، میں اندھا فقیر بھلا کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' فقیر خان سے بولا۔

''نہیں نہیں، ٹھیک سے یاد کرو۔'' خان نے یہ کہہ کر ایک روپے کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''ہاں بابا، گئی تو ہے ادھر۔'' فقیر نے جلدی سے آنکھیں کھول کر بے ساختگی کے عالم میں کہا اور اس نوٹ کو گھور مٹھی میں دبا لیا۔خان مسکرا دیا۔

''پیٹ پالتا ہوں، بابا، جیب تو نہیں کاٹتا۔'' فقیر نے اپنے مصنوعی اندھے پن کی صفائی پیش کی۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' خان یہ کہہ کر کچھ دور کھڑی ہوئی اپنی کار کی طرف لپکا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور فقیر کی بتائی ہوئی سمت پر چل دیا۔لیکن دیر ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی بڑی سڑک کے موڑ پر پہنچ کر اس نے گاڑی آہستہ کر دی۔سڑک صاف اور سونی پڑی تھی۔ابھی وہ سمت کا تعین بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک اس کی کلائی پر بندھی گھڑی سے ٹکل ٹکل کی آواز آنے لگی۔اس نے چابی گھماتے ہوئے جلدی سے اسے کان سے لگا لیا۔

''بالے کالنگ، ایس کے گوبے روڈ ساؤتھ۔میری مدد کو پہنچیے، فوراً۔''

خان نے چابی الٹی گھمائی اور گاڑی کو ٹرن دے کر مغربی سمت میں دوڑا دیا۔اس وقت اس کا پیر ایکسیلیٹر پر تھا اور گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔گوبے روڈ یہاں تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی لیکن خان کی گاڑی بھی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔شاہراہِ عام پر

۶۰ میل فی گھنٹی کی رفتار سے گاڑی دوڑانا، یہ اسی کے بس کا کام تھا۔ اسے معلوم تھا کہ گوبے اسٹریٹ پر سابو تیج کے گودام ہیں اور یہ علاقہ جب دن میں ویران رہتا ہے تو رات کی تو بات ہی علیحدہ رہی۔

دور سے ہی اسے گوبے روڈ کے جنوبی کنارے پر چند متحرک سائے نظر آ گئے۔ وہ تقریباً چار پانچ آدمی ہوں گے، جو ایک آدمی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور وہ اکیلا ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ دائیں بائیں ہو کر ان کے وار بچا رہا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی خطرناک چیز سے اس پر حملہ کر رہے تھے اور قریب پہنچ کر وہ چیز بھی واضح ہو گئی۔ وہ برہنہ خنجر یا بڑے پھل والے چاقو تھے۔ خان کی کار جیسے ہی رکی بریک کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ خان نے ہیڈ لائٹس دور سے ہی بجھا دی تھی، ورنہ وہ پہلے ہی آگاہ ہو گئے ہوتے۔ پلٹ کر کار کی طرف دیکھتے ہی وہ اس سائے کو چھوڑ کر تیزی سے اس لینڈ وباڈی گاڑی کی طرف دوڑے۔ مگر اتنی دیر میں خا گاڑی سے اتر چکا تھا۔ اس نے بھاگتے ہوئے آدمیوں کے پیر زخمی کرنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن ان میں سے صرف ایک ہی اسے گرتا نظر آیا۔ باقی اس کار میں بیٹھ چکے تھے اور اس سے قبل کے خان قریب پہنچے، اس کار سے ایک فائرنگ ہوئی اور وہ آدمی جا خان کی گولی سے لنگڑا ہو کر گرا تھا اور پھر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، ایک چیخ مار کر دوبارہ گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ وہ سایہ دوڑ کر قریب آ چکا تھا۔ وہ بالے ہی تھا۔

''شکر ہے کہ آپ وقت پر پہنچ گئے۔'' وہ قریب آ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پاس ریوالور نہیں تھا کیا؟'' خان اس زخمی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بالے سے بولا۔

''اسی دھینگا مشتی میں وہ یہیں کہیں نالی میں جا گرا ہے۔ وہ اچانک مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ انھوں نے گاڑی میرے قریب روک کر مجھ سے راستہ پوچھا تھا۔ اور اسی وقت ان

میں سے دو آدمیوں نے اچھل کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے انھیں گھونسوں پر رکھتے ہوئے ریوالور نکالا ہی تھا کہ ایک تیسرا آدمی مجھ پر پیچھے سے کود پڑا اور میرے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر شاید اس نالی میں جا گرا۔ پھر انہوں نے مجھے گھیر لیا اور برہنہ چاقوؤں سے مجھ پر حملہ کرنے لگے۔ میں تو ابھی تک انھیں ڈاج دے رہا تھا۔ لیکن آپ نہ آتے تو یقیناً آج میری زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔"

"کیوں، تمہاری جیب میں وہ گیس کریکرز نہیں تھے؟" خان نے اس مجروح آدمی کو الٹتے ہوئے کہا۔

"آج جیب میں رکھنا بھول گیا تھا۔" بالے نے کہا۔

"یہ مر چکا ہے۔ لیکن خیر تم اسے دیکھو اور اپنا ریوالور ڈھونڈو۔ میں ان کے پیچھے جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر خان دوڑ کر اپنی کار میں سوار ہو گیا۔ اس نے وائرلیس کمیونیکیٹر آن کر دیا، جو اس کی کار کے ڈیش بورڈ میں نصب رہتا تھا۔ اس کی کار آگے بڑھ گئی۔

"ایس کے کالنگ کنٹرول۔ ایس کے کالنگ۔"

ایک لمحے بعد ہی اسے سیٹ سے کنٹرول کے آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"اٹنڈ نگ۔ کن ان ایس کے۔"

"آل الرٹ کال نشر کرو۔ لینڈو باڈی مورس یا مسٹرڈ نمبر پلیٹ BNEX2331 کالا رنگ۔ کچھ خطرناک آدمی اس کار میں فرار ہو رہے ہیں۔ جہاں ملے مع آدمیوں کے قبضے میں کر لی جائے۔ لاسٹ لوکیشن، گوبے روڈ ساؤتھ، رخ ساؤتھ کی طرف ہے۔"

"اوکے سر۔"

اور چند سیکنڈ کے بعد یہی پیغام وائرلیس پر نشر ہونے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شوکت کا بھوت

شوکت کی اس وقت عجیب کیفیت تھی۔کوئی اسے اس عالم میں دیکھتا تو واقعی یم دوت کا اسسٹنٹ یا کوئی تنگڑے قسم کا بھوت ہی سمجھتا۔گھر سے وہ کس طرح اس مرگھٹ تک فقط ایک جانگیے میں پہنچا تھا، یہ بھی ایک ٹیڑھی کھیر تھی۔اسے سڑک چھوڑ کر آدھی رات کو سونی گلیوں سے چھپتے چھپاتے یہاں تک پہنچنا پڑا تھا۔وہ اپنی کار میں یہاں تک آ سکتا تھا، مگر اس سے اس عمل تسخیر میں فرق پڑ جاتا۔یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ مرگھٹ پر اسے کوئی چوکیدار نہیں ملا، ورنہ اندر داخلہ بھی مشکل ہو جاتا۔اور یا تو اسے رشوت دینی پڑتی یا وہ خود اسے کوئی بھوت سمجھ کر بھاگ اٹھتا۔بہر حال یہاں تک تو خیریت ہی گزری تھی۔لیکن جب اس نے مرگھٹ میں قدم رکھا تو اس کی روح کانپ گئی۔وہ اتنا بہادر تو تھا نہیں کہ بھوتوں کے تصور سے سینہ تان کر کشتی لڑنا شروع کر دیتا۔اس کے قدم دروازے کے قریب ہی رک گئے۔ایک لمحے کے لیے اس کی کھوپڑی میں سنجیدگی سے یہ بات آئی کہ وہ ایک معزز آدمی ہو کر یہ کیا حرکتیں کر رہا ہے؟ اور آیا یہ حماقت ہے یا عقل مندی؟ لیکن پھر تصور میں پری بیگم اسے بقول اس مجذوب کے اپنے سامنے دم ہلاتی نظر آئی اور اس کے اعصاب پر اس طرح چھا گئی کہ وہ کچھ نہ سوچ سکا۔اسے تو بس ایک ہی دھن تھی کہ کسی طرح پری بیگم اسے بے وقوف بنانے کی بجائے سچ مچ اس سے موجت کرنے لگے۔

"ہرے چے باوا باوا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور اندر پہونچ گیا۔مگر جب اس کی نظر اس راکھ پر پڑی جس کے جگہ جگہ ڈھیر تھے، اور ان کے ساتھ چتاؤں کی لکڑیوں کے جلے جلے ٹکڑے، تو اس کا دل کانپنے لگا۔اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس زمردتی کے خالو نے کون سا منتر بتایا تھا۔پوری ترکیب کیا بتائی تھی۔بہر حال اس نے بڑی ہمت کر کے تھوڑی سی راکھ اٹھا کر اپنے جسم پر مل لی اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔اسے معاً یہ خیال آ گیا کہ یہ کسی مرے ہوئے

Akram Allahabadi

مردے کی راکھ ہوگی۔ ''باپ رے۔'' بے اختیاری کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا اور چہرے پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ مگر یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہ سکی۔ بڑی بیگم پھر اس کے حواس پر چھا گئی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اس کے کان کے پاس کہہ رہی ہو۔ ''کیوں خاں، مرد ایسے ہی ہوتے ہیں یاتی کہ صدّا میاں نے جیسے شکار مارا تھا۔''

''ہشت، سالے بھوت سوت کی ایسی تیسی۔'' وہ سر کو جھٹک کر بڑبڑایا اور پھر اسے یاد آیا کہ اسے ایک برگد کے پیڑ پر چڑھنے کو کہا گیا۔ تھا۔ اس نے اس کے لیے کئی کوششیں کیں، مگر بے سود۔ ایک تو برگد کا تنا موٹا اوپر سے شوکت کا جغرافیا خود بھی کچھ تنگ نہ تھا۔ بالآخر اس نے رسماً اس عمل کو اپنی یادداشت کے مطابق پورا کرنے کے لیے برگد کی جٹاؤں تک چھلانگیں لگانی شروع کردیں۔ مرگھٹ میں ٹرسٹ یا سرکار کے انتظام کے مطابق جو لائٹس نصب تھیں ان کی روشنی زرد اور پھیکی ہی رہتی تھی اور مدھم سی روشنی میں شوکت اس عالم میں جب کہ ننگے بدن پر راکھ ملی ہو بار بار برگد کی جٹائیں تھامنے کے لیے اچھلنا بذاتِ خود اس مرگھٹ کے لیے ایک بھیانک منظر تھا۔ چوکیدار کی شامت اعمال کہ وہ اس وقت فرصت سے تمباکو پھانکتا ہوا آپہنچا اور جو اس کی آنکھوں نے ایک بھوت کو گزشتہ ہفتے جلائی گئی چتا کے اوپر اچھلتے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

''مم... مہاراج۔'' وہ وہیں سے گھگھیانے لگا۔ اور پھر اس کی ہمت ہی نہیں پڑی کہ آگے بڑھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ کر نہ جانے منہ ہی منہ میں کون کون سے اشلوک پڑھتا رہا۔ شوکت نے اسے نہ دیکھا تھا، ورنہ شاید اسے کچھ جھینپ محسوس ہوتی۔ چوکیدار نے جب دیکھا کہ اس کے اشلوک بھی بے کار جارہے ہیں اور وہ مست سفید بھوت اسی طرح اچھل اچھل کر برگد کی جٹاؤں سے کھیل رہا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے چپکے سے اپنی لاٹھی اٹھائی اور سیدھا پاس والے مندر کے پجاری جی کو بلانے کے لیے بھاگ اٹھا۔

Akram Allahabadi

بالآخر ایک جست میں شوکت کا ہاتھ برگد کی جٹا تک پہنچ ہی گیا۔ وہ اسے تھام کر لٹک گیا۔ جٹا مضبوط تھی، لیکن بڑی کوشش پر بھی اسے وہ منتر ٹھیک سے یاد نہ آیا، جو وہ خالو قسم کا نجومی بتا گیا تھا۔ بہر حال اس کی یادداشت میں جو آیا وہ بڑبڑانے لگا۔

"او کلوا تیلی۔ لاگڑ کی تھیلی۔ نہیں تو کروں گا تیری پتلون ڈھیلی۔ نہیں نہیں۔ یہ نہیں ... ہاں... او کلوا تیلی، لاگڑ کی بھیلی، موگرا چمبلی۔ نہیں نہیں... او سالے نجوم کے خالو، کیا بولا تھا تم نے۔ ہائے یاد کاہے کو نہیں آ رہا ہے..." وہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ حالاں کہ اتنی دیر میں اس کے بازو درد کرنے لگے تھے اور اس قسم کی ورزش بھی کبھی اس نے نہیں کی تھی۔

"کلوا تیلی، کلوا تیلی۔" وہ رٹ رٹ کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"لاگڑ کی تھیلی، نہیں بھیلی، نہیں تو جا بانس بریلی... اہا... یاد آ گیا... ہاں جا بانس بریلی۔ مگر نہیں بریلی میں تو پاگل خانہ ہے... اور کچھ ہوگا..." وہ پھر سوچ میں پڑ گیا اور جب یاد داشت نے ساتھ نہ دیا تو اسے نئی ترکیب یاد آ گئی۔ مثلاً منتر سے تو ظاہر ہے کہ بھوت کلوا تیلی ہی ہوگا۔ پھر کچھ یاد نہیں ہوتا تو کیوں نہ اسے مسکہ مارا جائے۔ خوش ہو گیا تو بس قلعہ فتح۔ اس تجویز پر اس نے عمل بھی فوراً ہی کر ڈالا۔ وہ رٹنے لگا۔

"او کلوا تیلی۔ تیری ناک کٹیلی۔ تیری صورت البیلی۔ تجھے کھلاؤں گا جیلی۔ ہائے میری پری بیگم کو مجھ سے موجت کرا دے۔ سالے تیری آل اولاد کو بھی جیلی کھلاؤں گا۔ یانی کہ عمل تسخیر حب التسخیر۔ اب سالے نجومی خالو۔ کچھ یاد نہیں آتا۔ اپنی کھوپڑی کی بھی ایسی تیسی اور پری بیگم کی بھی ایسی تیسی۔" یہ کہہ کر اس نے برگد کی جٹا چھوڑ دی اور نیچے کود پڑا۔ اس کے بازو بری طرح درد کرنے لگے تھے اور اب کیوں کہ وہ منتر بھی بھول چکا تھا، اس لیے اس پر جھنجلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ اس نے ایسی حماقت کی ہی کیوں؟ وہ یہاں آیا ہی کیوں؟ پری بیگم سالی کو موجت نہیں ہے تو ایسی ہزار پری بیگم اللہ میاں نے بنائی ہیں روئے زمین پر۔ اللہ اور دے گا۔" اور اسی تاؤ میں اس نے خود ہی اپنی گدی پر ایک طمانچہ

Akram Allahabadi

رسید کیا اور بڑبڑانے لگا۔

"تم تو میاں خاں، گولی ماردینے لائق ہو۔سالے، الو کے پٹھے، شوکت میاں خاں جاگیردار بنے ہیں اور ڈھنگ چماروں کے، ہشت۔یانی کہ ایک اورت کے لیے اتئے نخرے۔اللہ قسم بھوت وہ ہوا۔یانی کہ..." آگے مغلظات کی ایک گردان تھی جو وہ اپنی شان میں عرض کرتا ہوا جب وہ دروازے تک گیا اس کے قدم آپ سے آپ رک گئے۔سامنے سے مندر کا پجاری اور چوکیدار چلے آرہے تھے۔پجاری جی کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔پہلے چوکیدار کی ہی نظر شوکت پر پڑی۔

"پجاری جی۔" وہ چیخا۔ "بھ...بھ...بھوت۔" اور اس نے پلٹ کر پجاری جی کے منتروں کا کمال بھی نہ دیکھا۔وہ بے تحاشا بھاگتا چلا گیا۔مگر خود پجاری جی کے ہاتھ میں لالٹین اس طرح لرزنے لگی جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

"مم...مہادیو...شیش...شیوشنکر...ابھینکر...گو...گوروشوانا تھ۔بب...بب...بچاؤ ...اس بھو...بھو...بھوت سے..." اور اس پر بھی جب شوکت کا بھوت نہ مانا تو ان کی آواز تو حلق میں اٹک گئی۔البتہ خوف زدہ آنکھوں سے وہ اب بھی اشلوک پڑھ رہے تھے اور لالٹین ہاتھ سے گر پڑی تھی۔

"ابے تو تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو۔یانی کہ..." شوکت ان کی کیفیت سے متاثر ہوکر قریب جاتے ہوئے بولا۔

"مم...مجھے ہاتھ نہ لگانا...بھ...بھسم کردوں گا...مم...میں درگا من...من...مندر کا پجاری ہوں۔سمجھے ... بھ...بھوت...مہاراج۔بھ...بھسم کردوں گا۔جے جگدمبے۔جے بھوانی ہے۔جج...جج...جے جے...جے"

پجاری جی کی آواز پھر بیٹھنے لگی۔مگر اس وقت خدا جانے کہاں سے ان کے تن ناتوں میں اتنی جان پیدا ہوگئی کہ لالٹین چھوڑ، اپنی لکڑی کی کھڑاویں بغل میں دبا کر وہ پلٹ کر اس تیزی

سے بھاگے کہ شوکت دیکھتا ہی رہ گیا۔

''اے لو، سالے مجھے ای بھوت سمجھ بیٹھے۔'' یہ کہتے ہوئے اچانک اسے یاد آ گیا کہ اس کے جسم پر کسی مردے کی راکھ ملی ہوئی ہے اور یہ بات یاد آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہیں وہی تو میرے اوپر سوار نہیں ہو گیا ہے۔ جب ہی تو انھیں ایسا نظر آ رہا ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ شوکت نے بے تحاشا گھر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

اسے واقعی اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی نظر نہ آنے والی چیز اس پر سوار ہے اور یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس آدھی رات کے سناٹے میں اسے راستہ سونا ہی مل گیا، ورنہ دیکھنے والے کیا سمجھتے۔ ابھی وہ بنگلے کے قریب پہنچا بھی نہ تھا کہ ایک اور آفت آ گئی۔ یہ کوئی گشتی پولیس کانسٹیبل تھا، جو بڑی لاپرواہی سے سڑک کے کنارے کنارے منہ سے سیٹی بجاتا چل رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی ترنگ میں تھا، ورنہ اپنی لاٹھی ضرور پٹکتا چلتا اور گلی میں ہی شوکت کو خبر ہو جاتی کہ سڑک پر کوئی ہے۔ وہ جیسے ہی گلی سے نکل کر اپنے گھر والی سڑک پر آیا، کانسٹیبل سے اس کا سامنا ہو گیا۔ شوکت کا وہ عالم تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اس نے پلٹ کر گلی میں بھاگنا چاہا مگر کانسٹیبل کی آواز نے اس کے پیر وزنی کر دیے۔

''اے، جاتا کہاں ہے؟'' یہ کہتا ہوا وہ دوڑ کر قریب آ گیا۔ لیکن شوکت کو اس عالم میں دیکھ کر خوف زدہ وہ بھی تھا، ورنہ اس پر ہاتھ ڈال دیتا۔ پہلی بار تو وہ اسے کوئی مفرور چور سمجھا تھا مگر دوسری بار قریب سے دیکھنے پر وہ اسے کوئی خطرناک پاگل معلوم ہوا اور وہ اس سے دور ہی رک گیا۔

''کون ہے بے تو؟'' کانسٹیبل نے چار قدم دور سے ہی پوچھا۔ شوکت سے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا تھا۔ وہ بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''کیا پاگل خانے سے بھاگا ہے؟'' کانسٹیبل نے خود ہی دوسرا سوال کر ڈالا۔ اور خدا جانے شوکت کو اس وقت کہاں سے اتنی عقل آ گئی جو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی

اسے یہ بھی خیال آگیا کہ اب کچھ پاگلوں جیسی حرکتیں کرنی چاہئیں، ورنہ یہ کانسٹیبل فوراً پولیس اسٹیشن لے جائے گا اور پھر بات خان صاحب اور بالے تک۔ اسے اس اندیشے سے جھرجھری سی آ گئی۔

''نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ بڑبڑایا اٹھا۔

''کیسا نہیں ہوگا؟'' کانسٹیبل نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاتھی کے انڈے میں سے چوہے کا بچہ کیسے نکل سکتا ہے، تم ہی سوچو ذرا۔''

''اوہ۔'' کانسٹیبل کو ہنسی آ گئی۔ بلکہ یقین بھی ہوا کہ اس کا مقابل واقعی کوئی پاگل ہے۔

''یہ تم آدھی رات کو کدھر گھومتا ہے؟''

''رات؟ ابے ہم دن کے چودہ بجے چہل قدمی فرما رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر شوکت اسے ٹہل کر دکھانے لگا۔

''کپڑے کہاں گئے تمہارے؟'' کانسٹیبل ن اس کے نیم عریاں جسم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کپڑے؟ کائے کے کپڑے؟'' شوکت نے زبردستی کا قہقہہ لگایا۔ ''لو، سالے خود تو ننگے کھڑے ہیں اور مجھ سے کپڑوں کا پوچھ رہے ہیں۔ ارے چھوڑے ہوں گے وہیں جہاں نہائے ہوں گے۔''

''چلو تھانے میرے ساتھ۔ تمہیں پاگل خانے بھیجا جائے گا۔'' کانسٹیبل نے دور سے ہی اسے حکم دیا۔

''اے لو، میں جاؤں۔ تم کون ہو مجھے سسرال لے جانے والے؟ میں تو پھوٹ پھوٹ کے گاؤں گی۔'' شوکت نے کچھ عجیب سے بھونڈے انداز میں اپنی آواز کو باریک بناتے ہوئے کہا اور پھر وہ اسی طرح مٹک مٹک کر گانے بھی لگا۔ ''سیاں تو ری یاد میں گینڈا بن جاؤں

گی ۔مٹیں ...گی کوے کو؟ گا... یائی بن جاؤں ۔ لاحول ولاقوۃ ۔ میں کوئی اورت ہوں کیا؟ دھت...‘‘ پھر اس نے دیکھا کانسٹیبل اس کی اس عجیب حرکت پر پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگا تھا۔

’’ابے چپ۔‘‘ شوکت زور سے گرجا۔’’ تو نے کیا سمجھا ہے مجھے۔ میں بھوت موا ڑز آدمی ہوں۔‘‘

’’وہ تو شکل سے ہی نظر آ رہے ہو۔‘‘ کانسٹیبل اپنا قہقہہ روک کر بولا۔ اتنی دیر وہ یہ جائزہ لے چکا تھا کہ اگر یہ آدمی (شوکت) کوئی چور یا مجرم ہوتا تو نہ تو اس طرح گھومتا اور نہ ہی یوں نہتا ہوتا۔ اس کے بدن پر سوائے جانگیے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔

’’اچھا میاں، سلام علیکم۔‘‘ یہ کہہ کر شوکت پلٹا اور گلی کی طرف جانے لگا۔ کانسٹیبل بھی شاید اس وقت کسی پاگل کے چکر میں پڑنے کے موڈ میں نہ تھا اس لیے آگے بڑھ گیا۔ شوکت نے کچھ دور آگے جا کر رک کر دیکھا اور پھر اطمینان کی سانس لے کر فٹ پاتھ کے کنارے کنارے تیز تیز قدموں سے اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

دوسری مصیبت اسے اس وقت پیش آئی جب وہ بنگلے کے احاطے کی پچھلی دیوار سے اندر کودا۔ خدا جانے اس کھٹکے سے شمو کی آنکھ کھل گئی تھی یا وہ کھانسی کی وجہ سے جاگ رہا تھا۔ بہر حال شوکت نے اسے نہیں دیکھا۔ شمو نے اس سائے کو احاطے میں اتر کر جب بنگلے کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ گرمی کی وجہ سے دوسرا نوکر رحیم بھی برآمدے میں ہی سو رہا تھا۔ شمو نے جلدی سے اسے جگا لیا اور دونوں برآمدے سے اتر کر اور اس کے چبوترے کی آڑ لیتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے۔ شوکت ابھی اپنی خواب گاہ کی عقبی کھڑکی کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ اچانک شمو اور رحیم، دونوں اس پر ٹوٹ پڑے اور شمو نے تو بے تحاشا گھونسے چلاتے ہوئے ’’چور... چور‘‘ چلانا شروع کر دیا، جس سے سارے بنگلے میں کھلبلی مچ گئی۔

’’ابے چھوڑ، سالے۔ ابے میں ہوں۔ ابے مارتا کائے کو ہے۔ میں ہوں تیرا

Akram Allahabadi

باپ۔"

لیکن بہادری کے زعم میں نہ تو شمو کو فرصت تھی نہ رحیم کو کہ اس کی سنیں۔ دونوں نے بڑی مشقت سے اسے زمین پر گرالیا اور مارنے کے ساتھ ساتھ وہ چیختے بھی رہے۔ ان کے گھونسوں کی مار تو شوکت کے بدن پر اتنا اثر نہیں کر رہی تھی جتنی اس موقع کی نزاکت۔ آخر وہ حلق پھاڑ کر چیخ اٹھا۔

"ابے حرام خوروں، یہ میں ہوں تمہارا باپ۔ چھوڑو بے۔ او شمو ا، ہٹ اوپر سے، گدھے کی اولاد۔"

شمو اپنا نام اس کے منہ سے سن کر ایک دم اچھل کر اس طرح دور گرا، جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس وقت شوکت کے دوسرے نوکر لالٹین اور ٹارچ لیے آ پہنچے اور ان کے پیچھے پیچھے پری بیگم کے باپ۔ اور شوکت کے زبردستی کے پھوپھا نواب صاحب بھی اپنا بید لیے چلے آ رہے تھے۔ صرف پری بیگم ہی نہیں آئی تھی۔

شمو نے اپنا نام سننے کے ساتھ شوکت کی آواز بھی پہچان لی تھی۔ اس کا خون ہی خشک ہو گیا۔

"ابے ہٹ، رحیم، میاں ہیں۔ ابے سرکار پٹ رہے ہیں۔" وہ مری سی آواز میں رحیم کو گھسیٹتے ہوئے بولا۔ مگر رحیم کو شوکت نے اس کے اٹھنے سے پہلے ہی الٹا کر دیا تھا۔

"کک... کیا؟" رحیم ایک طرف گرتے ہوئے بولا۔

"اللہ قسم، میاں، میرے ہاتھوں میں کیڑے پڑیں۔ میاں مجھے کیا معلوم تھا۔"

"یہ تو سالے شمو نے کہا مار۔ میں سمجھا سچ مچ کوئی چور آیا ہے۔" رحیم ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

"اہاہاہا... مار چلا۔" شوکت نے ہاتھ مٹکا کر کہا۔ "سالے چور ایسے ہوتے ہیں؟" شوکت نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''نہیں، میاں، ایسے تو نواب ہوتے ہیں۔'' وہ جلدی سے لجاجت سے بولا۔

شوکت نے گھوم کر دیکھا۔ شمو ایک ٹانگ پر کھڑا تھا۔

''کیوں بے سالے۔ اللہ نے دو دی ہیں پھر بھی ٹپتا نہیں؟''

''میاں، پھوٹ جائیں میری آنکھیں جو دیکھ کر مارا ہو۔ میں تو سمجھا آپ کے کمرے میں چور گھسنے جا رہا ہے۔ میاں، مافی چاہتا ہوں۔''

دوسرے نوکر جو آئے تو تھے چور پکڑنے کے جوش میں مگر واقعہ کی اصلیت جان کر بت بنے کھڑے تھے۔ شوکت کو اس حلیے میں دیکھ کر مشکل سے ہی اپنی ہنسی روک رہے تھے۔ مگر نواب صاحب قریب آتے ہی شوکت کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔

''ارے، یعنی کہ آپ۔ اور میاں یہ بات کیا ہوئی؟'' وہ اسے سر سے پیر تک دیکھنے لگے۔

''کک کچھ نہیں۔ میرا پرائیوٹ ہے۔'' شوکت سے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''مگر یعنی اتنی رات کو اور یہاں۔ یعنی کپڑے بھی اتار دیے۔ میاں، لاحول ولا قوۃ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔'' نواب صاحب نے بزرگانہ شفقت سے شوکت کو جھاڑتے ہوئے بولے۔

''مم... میں ذرا کسرت کر رہا تھا باغ میں۔'' شوکت نے حلق سے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''مگر میاں، آپ تو فصیل...'' شوکت نے کہنا چاہا۔ مگر شمو نے بگڑ کر بات کاٹ دی۔

''چپ بے، فصیل سے لگ کر نہیں تو یا بیچ میدان میں کسرت ہوتی ہے۔''

''جیاں جیاں، میں بھی تو وئی کہہ رہا تھا۔'' شوکت نے جلدی سے ہاں میں ہاں ملا دی۔

Akram Allahabadi

''کمال کیا ہے آپ نے بھی۔ بھلا یہ وقت ہے ورزش کا؟''

''میری خوشی۔ چائے دوپہر میں کروں چائے آدھی رات میں۔'' شوکت نے اس انداز سے کہا جیسے وہ اس سلسلے میں کچھ اور نہ سننا چاہتا ہو۔ نواب صاحب بھی اس کا موڈ سمجھ گئے۔ انہوں نے فوراً انداز تکلم بدل دیا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔ یہ تو اپنی طبیعت پر منحصر ہے، میاں۔ اور سچی بات تو یہی ہے کہ ورزش وہی بدن کو لگتی ہے جو اپنی خوشی سے ہو۔''

شمو اور نوکروں نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ اور شوکت بھی یہی چاہتا تھا کہ بات اس طرح گول ہو جائے۔ اس لیے وہ سر ہلاتا ہوا برآمدے میں داخل ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھڑکی کے راستے اندر سے کھول دیا گیا تھا۔ شکر ہے کہ اس بارے میں اس سے کوئی سوال ہی نہیں کیا گیا۔ اور شاید نواب صاحب کو اس بارے میں علم بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے ابھی سنٹرل پولیس اسٹیشن میں ہی تھا کہ خان آ پہنچا۔ اس وقت رات کے ۱.۳۰ بج رہے تھے۔ اور کیوں کہ بالے کی سمجھ میں نہ آ سکا تھا کہ وہ حملہ آوروں کے اس ساتھی کی لاش کے متعلق کس قسم کی رپورٹ مرتب کرے، جو خان کی مرضی کے مطابق ہو، اس لیے وہ یہیں پڑا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ خان لوٹ کر یہیں آئے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ خان لوٹا، مگر تنہا

''خیر تو ہے؟'' بالے نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''وہ بچ نکلے۔''

''میں تو پہلے ہی جانتا تھا۔''

''کیا؟''

''آپ نے جان بوجھ کر انھیں موقع دیا تھا، ورنہ آپ فوراً ہی ان کے پیچھے گئے ہوتے۔''

''شاید۔'' خان مسکرایا۔

''مگر اس کا سبب؟''

''وہ ہمارے لیے زیادہ کارآمد نہ تھے۔''

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔''

''میں کرائے کے آدمیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ جانتے ہوں گے کہ ایک آدمی ان انھیں تمہارے ختم کر دینے پر مقرر کیا ہے۔''

''محض قیاس؟''

''نہیں، بالے صاحب۔ تم ہنومان اسٹریٹ میں ڈومینک کے فلیٹ پر گئے تھے نا؟''

''آپ کو کیسے علم ہوا؟''

''فنِ سرغ رسانی گھاس کھودنا نہیں ہے۔ ایسے احمقانہ سوالات نہ کیا کرو مجھ سے۔'' خان جھنجلا گیا۔

''آپ آکٹوپس ہیں۔ بیک وقت کئی بازو کئی سمت پھیلے ہوئے۔''

''ہاں تو تم جس معصوم دوشیزہ کو غیر متعلق سمجھ کر چھوڑ آئے تھے، یہ سامان اسی نے کرایا تھا تمہارے لیے۔''

''شبہ تو مجھے بھی کچھ تھا مگر میں نے سوچا ممکن ہے یہ بھی اس گجراتی کی طرح بے قصور لوگ ہوں۔'' بالے نے کہا۔

بہرحال اب تم اس ڈومینک کے پیچھے پڑ جاؤ۔''

''کسی لونڈیا کے پیچھے پڑ جانا۔ ہائے کتنا لذیذ محاورہ ہے۔''

''نو بکواس۔''

Akram Allahabadi

''اگر یہ بکواس ہوتی تو بے چارے قیس وفرہاد شہیدوں میں شمار نہ کیے جاتے۔''

''بس بس۔'' خان نے اسے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

''لیکن، باس، یہ ہے کیا چکر آخر؟''

''کوئی نامعلوم آدمی یا گروہ اپنے نامعلوم مقاصد کے لیے ایسے ضرورت مند لوگوں کی زندگیاں خریدنا چاہتا ہے جو مرنے کو جینے پر ترجیح دیتے ہیں۔''

''اور اس نامعلوم باس کی نامعلوم شخصیت کا نامعلوم ہونا ہماری نامعقولیت کی دلیل ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''شامت آرہی ہے کیا؟'' خان اسے گھورنے لگا۔

''از روئے گرامر ایک گزارش عرض کی تھی میں نے۔ بہرحال ایک اطلاع یہ ہے کہ وہ شریف آدمی جوان میں سے کسی کی گولی سے زخمی ہوا تھا، ختم ہو چکا ہے۔ وہ تب ہی ختم ہو چکا تھا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا پولیس کے ہاتھ پڑ جانا اپنے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔''

''اور اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ یقیناً اہم لوگ رہے ہوں گے۔ اور ایسے راز جانتے ہوں گے جن کا منکشف ہونا ان کے لیڈر کے مقصد کو فوت کر سکتا ہو یا پولیس کے ہاتھ اس تک پہنچا سکتا ہو۔''

''سوچنا کارآمد بات ہے، لیکن اتنی جلدی نتائج اخذ کر لینا حماقت ہے۔'' خان نے کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ وہ پیشہ ور معمولی قسم کے غنڈے تھے جو چاقو بازیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور وہ اپنے آدمیوں کو انھوں نے اسی لیے ختم کر دیا کہ کہیں وہ ان کی شخصیتیں بے نقاب نہ کر دے۔''

''لیکن ان میں سے کسی کے پاس ریوالور بھی تھا؟''

''ایسا غیر قانونی اسلحہ شہر کے اکثر بدمعاشوں کے پاس ہیں۔''

''ان کی کار پکڑی نہیں جا سکی کیا؟''

Akram Allahabadi

''تم سر دست اپنی کھوپڑی کا استعمال مس ڈوبینک کی طرف کرو۔ یہ بات تمہارے لیے اتنی اہم نہیں ہے۔''

''لیکن سر دست تو یہ کھوپڑی قابلِ مرمت ہو رہی ہے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو میں یہیں کھڑے کھڑے سو جاؤں گا۔''

''آؤ چلیں، گھر ہی چلیں۔''

''اور اس کی رپورٹ؟''

''کوئی جلدی نہیں۔ کل مرتب کر لی جائے گی۔''

وہ دونوں سنٹرل پولیس اسٹیشن سے نکل کر اپنی کار میں روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پھر لاش

خان کا رویہ بالے کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ وہ اس قدر لاپرواہی سے اس کیس کو ہینڈل کر رہا تھا کہ جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ جیسے وہ اس میں دلچسپی ہی نہ لے رہا ہو۔ لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ بعض اوقات کان اپنی عادت کے مطابق حالات کو اسی طرح ڈھیل دیتا جاتا، اور پھر اچانک اس طرح اپنی گرفت اصل مجرموں پر سخت کر دیتا کہ دوسرے سمجھ بھی نہ پاتے کہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا۔ بظاہر یہ معاملات بھی بالے کو ایک دوسرے سے بے تعلق اور الجھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک وہ صرف خان کی ہدایت پر ہی عمل کر رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں اپنی کھوپڑی استعمال کرنے کی اس لیے کوشش نہیں کی تھی کہ وہ ان دنوں بری طرح تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ خان کی ماتحتی میں کبھی تو ایسا ہوتا کہ اسے کئی کئی دن فرصت مل جاتی اور کبھی مسلسل مہینوں اسے یہ جاننے کا موقع نہ ملتا کہ فرصت کس چڑیا کا نام ہے۔ ان دنوں بھی یہی حال تھا۔ ایک کیس سے فارغ نہیں ہوئے کہ دوسرا سر پر۔ دوسرے سے نپٹے تو تیسرا کھڑا ہے۔ اور اس لیے اس نے خالی الذہن ہو کر مغز ماری ہی چھوڑ دیا تھا۔ بس ایک روبوٹ کی طرح جو ہدایات ملی کر ڈالا۔ یہ اور بات تھی کہ اس عالم میں بھی اس کی فطری زندہ دلی اس کی جبلت اسے نچلا نہ بیٹھنے دیتی۔

رات خواب گاہ میں پلکیں بوجھل ہونے کے باوجود اس کیس سے متعلق اس کے دماغ میں مختلف خیالات غدر مچاتے رہے۔ عجیب بے سلسلہ ہے۔ اخباروں میں ایک اشتہار نکلا۔ پھر وہ سرلا اور اس کے باپ سے جا ٹکرایا۔ بے روزگاری کی ایجنگ میں ایک خدائی فوجدار نے اسے مس ڈوبینک کے پاس پہنچا دیا۔ جس کے طفیل اسے چار پانچ حملہ آوروں کا نشانہ بننا پڑا۔ لیکن اس بے ربط سے سلسلے میں اگر کوئی کام کی بات کہیں ملتی تھی تو صرف ڈوبینک کا

پراسرار کردار۔بشرطیکہ خان کے خیال کے مطابق یہ حملہ اسی نے کروایا ہو۔اور دوسری وہ موت جسے خودکشی سمجھنا پڑا تھا۔اب اگر یہ تمام حالات اسی ایک اشتہار کے رہینِ منت تھے تو صرف اتنا ہی سمجھا جا سکتا تھا کہ کوئی نامعلوم شخصیت یا گروہ چند آدمیوں کی زندگیاں کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔مگر اس طرح کہ اس کے وسائل، مقاصد اور شخصیت راز میں ہی رہے۔

یہی سوچتے سوچتے اچانک اس کی ذہنی روشوکت کی طرف گھوم گئی۔نا جانے اس کے اس عملِ تسخیر کا کیا حشر ہوا ہو؟ اور اس خیال کے ساتھ ہی اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔پری بیگم کے لیے وہ گدھا کچھ نہ کچھ ضرور کرگز را ہوگا۔وہ اس کا ردِ عمل جاننا چاہتا تھا اور اس لیے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی وقت ضرور اس کی خبر لے گا۔

☆☆☆☆☆☆

مگر صبح ہوئی تو پھر نئی مصیبت۔اسے خان کے حکم سے جگا لیا گیا تھا۔ورنہ وہ نظامِ شمسی میں کچھ ایسی تبدیلی کر کے سویا تھا کہ آج صبح کا سورج ۸.۳۰ بجے نکلے، ۹ بجے یا ممکن ہو تو اس سے بھی بعد۔

''لو بھئی، آج پھر ایک لاش ملی ہے ڈنگر کی کھاڑی سے۔''

''لاحول والاقوۃ۔یہ ناشتے میں لاش؟ بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''بالکل ویسا ہی کیس ہے، بالے صاحب۔''

''اللہ اور برکت دے۔لیکن خادم کو کیوں گھسیٹا گیا ہے؟''

''ہماری لسٹ پر جتنے بھی آدمی تھے ان کا ابھی تک کوئی پتا نہیں چل سکا ہے۔''

''اللہ سب کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔''

''نہیں، اب انتظار کا وقت نہیں رہا ہے، ورنہ اس طرح باقی آدمیوں کی لاشیں بھی

کہیں نہ کہیں پائی جائیں گی اور انھیں خودکشی سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔''

''تو فرمایئے کیا حکم ہے؟''

''مس ڈوبینک۔''

''ہائے، کیا لڑکی ہے۔ جیسے، جیسے... مگر، باس، کیا وہ رات والے حملے کی ناکامی کے بعد بھی وہاں موجود ہوگی؟''

''بھیجہ استعمال کیا کرو اپنا۔ کیا اسے علم ہوگا کہ اس حملے کی وجہ ہم جان چکے ہیں؟''

''تو میں جاؤں؟''

''ہاں۔ لیکن کوشش کرنا کہ اس سے دور رہ کر کام ہو۔ تم بعض اوقات لڑکیوں کے قرب میں آدمیوں کی جگہ خچر بن جایا کرتے ہو۔''

''یہ میری غلط تعریف ہے۔ آپ نے خچر سے آدمی کہا ہوتا۔ خچر تو آپ کی ڈیوٹی میں بن جاتا ہوں۔''

''بکو مت۔ اسے فوراً چیک کرو۔''

''یانی بلاناشتہ؟''

''اف فوہ۔'' خان جھنجلا گیا۔ مگر بالے نے اسے اور زیادہ مشتعل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ غلام رسول کو جلدی سے ناشتہ لگانے کی ہدایت کرتا ہوا لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد بالے پھر ڈوبینک کے دروازے پر موجود تھا۔ دوسری بار بیل بجانے پر موٹی آیا نے دروازہ کھولا۔ مگر بالے کو دیکھتے ہی وہ بھونچکا رہ گئی۔

''تت... تو... تو م... پھر آیا؟'' اس نے حیرت سے لکنت کرتی ہوئی زبان میں پوچھا۔

''تت... تو... تمیں آتا کیا؟'' بالے نے ویسے ہی جواب دیا۔

''مسّی بابا تمیں ملے گا کسی سے۔'' وہ کہہ کر دروازہ بند کرنا ہی چاہتی تھی کہ بالے زور سے دروازہ کو ڈھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اسے سامنے سے مس ڈومینک کی کڑکتی آواز سنائی دی۔

''مس ڈومینک، میں نے رات اپنا خیال بدل دیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''رات بھر آپ کی صورت میری آنکھوں میں گھومتی رہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں آپ پر عاشق ہوگیا ہوں۔''

''اوہ تو اب پولیس کو بلوانا ہی پڑے گا۔''

''شوق سے بلا لیجیے۔ میں یہ بھی کہہ دوں گا کہ رات آپ نے چند بدمعاشوں سے مجھ پر جان لیوا حملہ بھی کرایا تھا۔''

''نانسنس۔ کیا بک رہے ہو؟'' مس ڈومینک نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''چلیے نہیں بکتا۔ کوئی عشقیہ ڈائیلاگ پیش کروں؟'' بالے مسکرایا۔

''میں تمہیں نہیں جانتی اور نہ ہی میں نے تم پر کسی سے حملہ کروایا ہے۔ میں ایسا کیوں کرنے لگی۔'' وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''خیر، سردست تو میں نے پولیس میں یہی بیان دیا ہے کہ وہ لوگ میرے دشمنوں میں سے تھے لیکن میں اتنا لقمۂ تر نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا تھا۔''

''خدا جانے کیا کہہ رہے ہو تم؟ یہ تمہارا جو جی چاہے پولیس سے جا کہو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ گیٹ آؤٹ۔''

''او کے۔ میں اتنا جلد باز نہیں۔ میں تمہیں شام تک کا موقعہ دیتا ہوں۔ سمجھوتا یا انتقام۔''

☆☆☆☆☆☆

تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ ٹیلیفون لائن وہ پہلے ہی کاٹ چکا تھا۔ بمشکل نصف گھنٹہ گزرا

ہوگا کہ وہ گھبرا کر نکل پڑی اس سے پہلے اس کی موٹی آیا کھڑکی سے سڑک کا جائزہ لے چکی تھی۔ لیکن بالے بڑے اطمینان سے سامنے کے ایک ہوٹل میں کھڑکی کے پاس والی میز پر اخبار سے چہرے کی آڑ کیے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت سنبھلا جب اس نے مس ڈوبینک کو اس بلڈنگ سے باہر آتے دیکھا۔ سڑک پر اس وقت کوئی ٹیکسی نہ تھی۔ وہ محتاط انداز میں چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھتی ہوئی پیدل ہی چلنے لگی۔ اس وقت تک بالے بھی سڑک پر آچکا تھا، لیکن اس نے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک ایسے آدمی کی آڑ لے لی تھی جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی دھن میں کچھ گنگناتا چلا جا رہا تھا۔ شاید وہ کوئی شاعر تھا۔ مس ڈوبینک ایک جگہ پہنچ کر رک گئی۔ یہاں سے ایک گلی پھوٹتی تھی جو ویران نظر آتی تھی۔ اس کا دوسرا سرا مین روڈ سے جا ملا تھا۔ وہ اس گلی میں داخل ہو کر تیز تیز چلنے لگی۔ بالے کو علم تھا کہ یہ گلی کہاں نکلے گی۔ اس لیے وہ آگے بڑھ کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ لیکن اس سونی جگہ ٹیکسیاں بھی اتفاق سے ہی گزرتی تھیں۔ مجبور ہو کر اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ اب اس سے آگے والی گلی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قدم تیز ہوتے ہوتے دوڑنے لگے۔ بالآخر وہ دوسری گلی سے مس ڈوبینک سے پہلے مین روڈ پر پہنچ گیا۔ مس ڈوبینک ایک منٹ بعد اسے مین روڈ پر نکلتی نظر آئی۔ وہ اب ایک خالی ٹیکسی کو اشارے سے روک رہی تھی۔ یہاں بالے کو بھی کوئی دقت نہ پیش آئی۔ اسے بھی فوراً ہی ٹیکسی مل گئی۔

''اس ٹیکسی کا پیچھا کرو۔ لیکن ہوشیاری سے۔'' بالے نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی۔

''اس میں تو کوئی چھوکری بیٹھی ہے۔ کیا کوئی معاملہ ہے، صاحب؟'' ڈرائیور نے خوش اخلاقی کا اظہار کیا۔

''چلو یوں ہی سہی۔ لیکن استاد تمہاری ہوشیاری اسی میں ہے کہ نہ اسے ہمارے تعاقب کی خبر ہو اور نہ وہ ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہو پائے۔''

''ارے اس کا باپ بھی اپنے سے نہیں جا سکتا۔'' ڈرائیور نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ اور پھر واقعی وہ اس احتیاط سے اس کا پیچھا کرنے لگا کہ آگے والی ٹیکسی کو اس کے تعاقب کا شبہ تک نہ ہو۔ مگر بالے کا خیال غلط نکلا۔ جب اس نے اسے ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترتے دیکھا۔ بالے نے بھی اپنی ٹیکسی رکوا دی اور ڈرائیور کو پنچ کا ایک نوٹ دیتے ہوئے، یہیں انتظار کرنے کی ہدایت کرتا ہوا خود بھی ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔

اندر وہ کاؤنٹر کے پاس نصب کردہ ٹیلیفون سے کسی کو فون کر رہی تھی۔ یہ فون ایک شیشے کی دیوار والی کیبن میں رکھا ہوا تھا، جس کا دروازہ بند کرنے کے بعد اندر کی آواز باہر نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن اس کے ہونٹوں کی حرکت اور چہرے کے تاثرات سے اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی جلدی جلدی کسی سے گفتگو کر رہی ہے۔ پھر وہ رسیور کریڈل پر رکھ کر باہر آ گئی۔ اس نے رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کیا اور چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتی ہوئی ایک کنارے والی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظر بالے پر نہ پڑ سکی تھی۔ اس لیے کہ ہال کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ بالے بھی اس میز سے قریب ہو کر ایک نشست پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آواز نے اسے چونکا دیا۔

''ابے او نواب دھنّپل (زبردستی) کے خالو صاحب۔''

آواز شوکت کی تھی اور اتفاق سے بالے اس وقت کیوں کہ اسی میک اپ میں تھا، اس لیے اس کا خون خشک ہو گیا کہ یہ گدھا سارا کام بگاڑ دے گا۔ وہ ان جان بن کر دوسری طرف دیکھنے لگا تاکہ شوکت کو کم از کم یہی مغالطہ ہو جائے کہ اس نے کسی غلط آدمی کو پکار لیا ہے۔ مگر دوبارہ جب اس نے گھوم کر دیکھا تو شوکت اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔

''اب تو پھنسے ہو، سالے چار سو بیس۔ مجھے ننگا کرا کے شمشان میں بھیج دیا اور نتیجہ وہی ٹھینگے کا ٹھینگا۔'' شوکت زبردستی اس کے سامنے کی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

''کیا آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں؟'' بالے نے دانستہ اجنبیت کا اظہار کیا۔

''نہیں تو کیا آپ کے باپ سے کہہ رہا ہوں۔ وہ اس دن عملِ تقصیر... نہیں وہ یانی کہ تشخیص... لاحول ولاقوۃ۔ یانی وہ لونڈیا کو رام رام کرنے کا نسخہ کیا تمہارے فرشتے بتا کے گئے تھے؟'' شوکت اس کے اس سوال پر چڑ کر بولا۔

''آپ کو کچھ مغالطہ ہو رہا ہے، جناب۔ میں نے آپ کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''اہاہا...'' شوکت کی گردن کے ساتھ اس کا سارا بدن مٹکنے لگا۔ ''بڑے بوھلے ہیں بچارے۔ پہلے کہیں دیکھا ہی نہیں۔ ارے تم کوئی آٹھ سو چالیس ہو، سالے۔''

''آپ تو گلے پڑ رہے ہیں۔'' بالے نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

''اور لو، یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ میں تمہارے گلے پڑوں گا بھلا۔ جیسے لونڈیا ہو کوئی کہیں کے۔ میاں خاں تم جیسے دھوکے بازوں کا تو کالا موں کر کے سارے شہر میں گھمائے۔''

''اچھا بس کرو۔ نہیں تو مجھے غصہ آجائے گا۔''

''آئے تو خدا کے سے۔ کیا کرلو گے تم؟'' شوکت اکڑ گیا۔

''دیکھو، چپ ہو جاؤ، نہیں تو۔ نہیں تو...''

''نہیں تو کیا؟'' شوکت نے بات کاٹ دی۔

''نہیں تو میں رو دوں گی۔'' بالے عجیب مسخرے انداز میں ناک پر انگلی رکھ کر گھوم پڑا۔ شوکت اس طنز کو نہ سمجھ سکا۔ وہ بے اختیار ہنس دیا۔

''ارے تو بھانڈ ہو تم؟ جب ہی تو میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے مذاق کون کر سکتا ہے بھلا۔''

''ڈیر سگھٹ، بھانڈ ہو گے تو م۔ تمہاری آل اولاد۔ تمہاری آنے والی نسلیں۔''

''ڈیر سگھٹ کے تخاطب نے سارا مسئلہ ہی حل کر دیا اور شوکت حیرت سے چونک

کر جواب دینے کی بجائے اس کی شکل غور سے دیکھنے لگا۔

"ابے سالے تو م،یانی کہ بالے بھائی۔" اس نے نعرہ مارا۔ مگر بالے نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیوں،خاں؟ اور سب مر گئے تھے کیا الو بنانے کو؟" شوکت کا لہجہ شکایتی تھا۔ اور موڈ تو ہنس پڑنے سے بدل ہی گیا تھا ورنہ وہ اس وقت ضرور لڑ پڑتا۔

"مائی ڈیئر، پیار میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" بالے نے آہستہ سے کہا۔

"ارے جہنم میں گیا تمہارا پیار میار۔ میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

"اچھا بابا، لے لینا۔ مگر وہ دیکھ رہے ہو وہ سامنے جوڑ کی بیٹھی ہے؟" بالے نے مس ڈومینک کی طرف اشارہ کیا۔

"اللہ قسم خوبصورت بھی ہے سالی اور اکیلی بھی۔"

"لیکن اس کے پیروں میں سینڈل بھی تگڑے قسم کے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جو مطلب اکیلی ہونے کا ہوتا ہے۔"

"اے لو ہتو میں کیا کوئی بری نیت سے کہہ راتھا۔"

"خیر چھوڑو تم ذرا اس پر نظر رکھو میں ابھی آیا۔"

"اچ چھا۔" شوکت ن اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور پھر اس لڑکی پر اس طرح نظریں جما دیں جیسے نظر رکھنے کا پورا پورا مفہوم ادا کر رہا ہو۔

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اسے ایک سانولے رنگ کا دراز قد آدمی اس لڑکی کی میز کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ شوکت اسے کینہ تو زنظروں سے گھورنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسے موقعوں پر ایسے آدمیوں سے رقابت سی ہونے لگتی۔

اسے دیکھتے ہی اس لڑکی نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس نے اشارے

Akram Allahabadi

سے منع کر دیا۔اور پھر خود بھی اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تم یہاں کیوں آئی؟'' وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''ٹیلیفون کام نہیں کر رہا تھا۔''

''لیکن اس قدر ڈرنے کی کیا بات تھی۔تمہارے خلاف کسی کے پاس کیا ثبوت ہے؟'' نووارد کا لہجہ تلخ تھا مگر وہ آہستہ بول رہا تھا۔

''آج جس آدمی کی لاش پائی گئی ہے وہ بھی مجھ سے مل چکا تھا۔'' لڑکی کے لہجے میں خوف اور انتشار کی جھلک تھی۔

''اوہ،لیکن یہ تمہارے سوچنے کا کام ہے؟''

''مجھے خوف ہے کہ پولیس کے شبہات مجھ تک پہنچ گئے ہیں۔''

''تمہارا یہ خیال کسی حماقت سے کم نہیں۔ہم کوئی کچی گولیاں نہیں کھیل رہے۔ قانون ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خودکشی کی وارداتیں ہیں۔''

''لیکن ایک ہی جیسی کئی وارداتیں...؟'' لڑکی نے کچھ کہنا چاہا۔

''یہ فیصلہ کرنا باس کا کام ہے۔ہمارا تمہارا نہیں۔تم اپنی جگہ جاؤ اور میری ہدایت تک وہاں قیام کرو۔ٹیلیفون لائن درست کرا دی جائے گی۔'' اس بار اس آدمی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔لڑکی نے اٹھنا چاہا،مگر اس نے پھر اسے روک دیا۔''اس طرح نہیں، یہاں بیٹھنے کا کوئی جواز تو ہونا چاہیے۔میں نے کولڈ ڈرنک کا آرڈر دے دیا ہے۔''

لڑکی پھر بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی بیرے نے میز پر دو بوتلیں آرینج کی لا کر رکھ دیں۔اور وہ خاموشی سے آرینج پینے لگے۔

شوکت کو اب بالے کی غیر موجودگی پر گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔خدا جانے وہ اسے یہ بے سر پیر کا کام سونپ کر کہاں غائب ہو گیا تھا۔لڑکی جب اٹھنے لگی تو وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پایا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔اچانک اس کی کھوپڑی میں سراغ رسانی کا خیال گھس آیا۔

''آخر بالے نے اس پر نظر رکھنے کو کیوں کہا تھا اور نظر رکھنے کا مطلب تو یہ بھی ہوا کہ وہ جہاں جائے اس پر نظر رکھی جائے۔ یہ سوچتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یہ توقع ہو گئی تھی کہ لڑکی اب اٹھنے ہی والی ہے اور یہی ہوا۔ آرینج کی بوتل خالی کرنے کے بعد وہ دونوں ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اتنی دیر میں شوکت کاؤنٹر پر بل ادا کر چکا تھا۔ انھیں دروازے کی طرف جاتے دیکھ کر وہ بھی باہر نکل گیا۔ شاید وہ ٹیبل پر ہی بل چکا کر اٹھے تھے۔

باہر آ کر اس نے دیکھا وہ آدمی اس لڑکی کو چھوڑ کر اب سڑک کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں کاریں پارک کی ہوئی تھیں۔ اور وہ لڑکی کوئی ٹیکسی تلاش کر رہی تھی۔ یہ شوکت کی عقل مندی تھی یا حماقت کہ اسے اپنی کار کا خیال آ گیا۔ مگر جب اس نے اسے تلاش کیا تو حیران رہ گیا۔ اس کی کار وہاں نہ تھی۔ اور یہ حرکت بالے کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ منہ ہی منہ میں اسے سنانے لگا۔ پھر اس نے سوچا کیوں نہ لڑکی کا گھر دیکھ لے۔ یہ فیصلہ کر کے اسے بھی ٹیکسی کر لینی پڑی۔ اس نے اس آدمی کی طرف دھیان بھی نہیں دیا جو لڑکی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور اس کی ہدایت پر اس لڑکی والی ٹیکسی کا پیچھا کرنے لگا۔ مگر شوکت کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ اسے اس طرح اس لڑکی کے پیچھے ٹیکسی میں جاتے دیکھ کر اس آدمی نے فٹ پاتھ پر کھڑے دو دوسرے آدمیوں کو کچھ اشارہ کر دیا اور وہ ایک تیسری ٹیکسی میں اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کی ٹیکسیاں سڑکوں سے گزرتی رہیں۔ لیکن جب وہ ایک سونی سڑک پر پہنچیں تو سب سے پیچھے آنے والی ٹیکسی کو شوکت کی ٹیکسی کے آگے نکال لایا گیا اور چند گز آگے بڑھ کر تو وہ اڑک پر اس طرح ترچھی کر دی گئی کہ شوکت کے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنی گاڑی بریک مار کر روکنی پڑی۔ فوراً ہی اگلی ٹیکسی سے دو آدمی اتر پڑے۔ وہ دونوں شوکت کی ٹیکسی کی طرف بڑھے اور بڑی لاپرواہی سے ان میں سے ایک اگلی نشست کا دروازہ کھول کر ٹیکسی ڑرائیور کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا زبردستی شوکت کے پاس پچھلی نشست پر آ دھنسا۔

شوکت ہکا بکا ہو کر ان کی صورتیں دیکھنے لگا اور ٹیکسی ڈرائیور کی سمجھ میں بھی کچھ نہ

آیا۔آگے والی ٹیکسی انھیں چھوڑ کر روانہ ہو چکی تھی۔

''گاڑی ادھر لے چلو۔'' آگے والے آدمی نے ڈرائیور سے ذرا تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''مم...مگر صاحب۔'' ڈرائیور نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ کہ مقابل کے ہاتھ میں چمکتے لمبے چاقو کی نوک دیکھ کر اس کی آواز بیٹھ گئی اور وہ اس کی بتائی ہوئی سمت گاڑی چلانے لگا۔

''ارے مگر اِدر کاں؟'' شوکت نے اسے ٹوکا۔

''چپ بیٹھو، موٹے آدمی، نہیں تو پیٹ پھاڑ دوں گا۔'' شوکت کے برابر بیٹھے آدمی نے اسے ڈانٹا۔

''موٹے آدمی ہو گے تم خد، میاں خاں۔میری ٹیکسی میں کائے کو آن بیٹھے؟'' شوکت سادگی سے بولا۔

''تا کہ تمھیں شریف لڑکیوں کا پیچھا کرنے کا مزا چکھائیں۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولا۔

''اے لو سڑک خدا کی ملک بادشاہ کا۔میں یانی کہ خلق خدا کی سڑک بادشاہ کی۔''

''ڈرائیور، یہ موٹا آدمی کیا بولا تھا تمھیں؟'' آگے والے نے غصیلے لہجے میں ڈرائیور سے پوچھا جو پہلے ہی اپنی جان چھڑانے کی فکر میں تھا۔

''اگلی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کو بولا تھا، صاحب۔'' اس نے جلدی سے کہہ دیا۔

''کیوں بیٹا، اور چاہیے ثبوت؟''

''ارے مگر وہ تو...''

''چپ رہو۔تمھیں تو آج ہم اچھا مزا چکھائیں گے اس حرکت پر۔'' دوسرے نے دوبارہ ڈانٹ دیا اور وہ اس کے چاقو کی نوک اپنی پسلی میں چبھتی محسوس کر کے چپ ہو گیا۔

ٹیکسی کو مضافات کی بڑی روڈ پر لا کر کچے راستے پر گھما دیا گیا اور یہاں آگے ایک کھاڑی تھی جس کے کنارے ایسی آبادی تھی جہاں زیادہ تر ناجائز طور پر شراب کشیدہ کرنے

والے لوگ رہتے تھے۔

اس آبادی کے باہر ہی سے اس ٹیکسی کو ان لوگوں نے رخصت کر دیا اور شوکت کو تار لیا گیا۔

ڈرائیور اپنے پیسے چھوڑ کر ایسا بے تحاشا بھاگا کہ اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ شوکت کا خون اندر سے خشک ہو رہا تھا۔ لیکن بالے کی صحبت میں وہ اتنا ضرور سیکھ گیا تھا کہ ایسے موقع پر بھی اس نے چہرے پر پریشانی نہ ظاہر ہونے دی۔

اب وہ ایک بدبودار پتلی سی گلی میں داخل ہو کر ایک ایسے مکان پر رک گئے جس کے باہر قفل لٹکا ہوا تھا۔ گلی میں سوائے دو چار پالتو سوٴروں کے اور کوئی نظر نہ آتا تھا۔ ان میں سے ایک نے اس مکان کا تالا کھولا اور دوسرے نے شوکت کو اندر ڈھکیل دیا۔ پھر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

''ارے مگر تم یاں کائے کو لائے ہو مجھے، بھائی؟'' شوکت نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''تاکہ تم سچ سچ یہ بتا دو کہ تم اس کا پیچھا کیوں کر رہے تھے۔ ورنہ اس مکان سے ہفتہ بھر بعد تمہاری سڑی ہوئی لاش برآمد ہوگی۔''

''میں سچ بولوں گا تو تم اور گرم ہو جاؤ گے۔'' شوکت بڑی معصومیت سے بولا۔

''ہم شاید تمہیں معاف بھی کر دیں بشرطیکہ بات ہمیں سچی معلوم ہوئی۔''

''وہ...وہ...مگر ئیں تم پہلے یہ بتا دو کہ وہ تمہاری کون ہے؟''

''وہ ہمارے سب کچھ ہے، تمہیں اس سے مطلب؟''

''اللہ قسم کوئی مطلب وطلب نہیں تھا...وہ تو...وہ تو یانی وہ بس بھوت اچھی لگی تھی مجھے۔'' شوکت نے یہ کہتے کہتے شرما کر سر جھکا لیا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' ان میں سے ایک نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''اللہ قسم، تمہارے سر کی قسم۔اس...اس کی قسم۔'' وہ پھر شرما گیا۔

''تو تم اسے اغوا کرنے والے تھے کیا؟'' دوسرے نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اے لو، ایسا سوچا بھی ہوتو اللہ دونوں پھوڑ دے۔میں تو گھر دیکھنے جا رہا تھا۔''

''کیوں؟''

''ابھی تم ہی لو۔تم کسی پے عاشق ہو جاؤ گے تو کیا اس کا گھر نہیں ڈھونڈو گے؟'' شوکت سادگی سے بولا۔

''تو یہ عشق کا معاملہ تھا گویا۔'' پہلا زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''میاں خان، تم نے وہ غالبؔ صاحب کا شیر نہیں سنا ہوگا، یانی کہ عشق وہ آگ ہے سالی کہ آپ سے آپ لگ جاتی ہے۔اور آدمی الو کا پٹھا بن جاتا ہے۔یانی کہ میں بھی الو کا پٹھا ہو گیا تھا اس وقت۔''

''تم اسے کب سے جانتے ہو؟''

''بس آج ہی دیکھا تھا ہوٹل میں۔''

''اور بغیر نوٹس دیے عاشق بھی ہو گئے؟''

''ابھی وہ فارسی کا شعر کہوں گا تو برا مان جاؤ گے۔''

''نہیں نہیں، وہ بھی سنا ڈالو۔'' ان میں سے ایک نے اس کی باتوں میں لطف لیتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''یانی کہ روئی کہ عشق اول در دل میں معشوق پیدا می شود در۔''

جواب میں وہ دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔یہ بے ساختہ ہنسی یا تو شوکت کی کیفیت پر تھی یا شاید وہ اس شعر پر ہی ہنسے ہوں۔

''تو با میں جاؤں نا؟'' شوکت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''اونہونہہ۔ایسے نہیں۔بھلا مہمان کی خاطر مدارت کے بغیر اسے کیسے جانے دیا

جا سکتا ہے۔''ان میں ایک نے مسکرایا۔

''ارے نئیں، کائے کو تکلف کرتے ہیں آپ۔اللہ قسم میں کچھ کھاؤں پیؤں گا نہیں۔گھر سے ہی کھا کے چلا تھا۔''شوکت جلدی سے بول اٹھا۔

''فضول وقت ضائع کرتے سے بہتر یہ ہے کہ اسے یہیں بند کردو۔ہم ریگی سے پوچھے بغیر اس کا کچھ نہیں کر سکتے۔''دوسرے نے پہلے سے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔پھر انھوں نے شوکت کے احتجاج کے باوجود ایک کرسی سے باندھ کر اس کے منہ میں رومال ٹھونس دیا اور باہر سے قفل ڈال کر چلے گئے۔شوکت اب اپنے ذوقِ سراغ رسانی اور جذبۂ حسن پرستی پر بیک وقت پچھتا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

باغِ نشاط

کال بالے کا تھا۔

خان نے رسیور اٹھالیا۔

''می بالے بالتو۔سار جنٹ بالے۔''اسے بالے کی آواز سنائی دی۔

''کہاں مر گئے تھے کمبخت تم؟''

''ایک محبوبۂ خانہ خراب چندے آفتاب چندے ماہتاب سری کرشن مہتاب پر۔''

''بکومت۔کیا کیا تم نے؟''

''بہت کچھ۔مثلاً میں نے مس ڈوبینک کو اوسان خطا کر دیے اور وہ گھبرا کر ایک ایسے آدمی سے ملنے کی حماقت کر بیٹھی جس کا پیچھا کرتے ہوئے میں ایک جنگل بیابان تک پہنچ چکا ہوں۔''بالے نے کہا۔

''پھر ٹیلیفون کیا اپنے فرشتوں کی معرفت کر رہے ہو؟''

''شاید آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جنگل اسی شہر میں واقع ہے اور اس کا نام 'باغِ نشاط' ہے۔''بالے کی آواز آئی۔

''باغِ نشاط؟''خان چونک پڑا۔

یہ اس کے لیے ان جانی جگہ نہ تھی۔شہر کے سر پر کسی زمانے میں ایرانی سفارت خانے نے زمین خرید کر سفارت خانے کے لیے ایک عمارت اور اس کے گرد باغ بنوا کر اسے باغِ نشاط کا نام دیا تھا۔لیکن بعد میں جب سفارت خانے کا دفتر شہر کے مرکز میں منتقل کیا گیا تھا تو اسے کسی کرکرایہ پر دے دیا گیا تھا۔مگر کس کو؟ وہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا اور دوسری طرف بالے فون پر چیخ رہا تھا۔

Akram Allahabadi

''ارے آپ کہاں پہنچ گئے؟ باغِ نشاط سے تو میں بول رہا ہوں۔''

''ہاں ہاں کہو۔ میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''اگر آپ نے اسی طرح فون کے دوران یاد کرنے کی کوششیں جاری رکھیں تو مجھے سارا دن یہیں کھڑا رہنا پڑے گا۔''

''آگے بولو نا، کمبخت۔''

''میں عرض کر رہا تھا وہ آدمی جس کا پیچھا کرتا ہوا میں یہاں تک پہنچا ہوں، باغِ نشاط کے اندر گیا تھا مع اپنی کار کے اور ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔ میں اس کے باہر پبلک ٹیلیفون بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔''

''تم نے اندر جانے کی کوشش نہیں کی؟''

''اس حلیے میں جوتے مار کر نکال دیا جاؤں گا۔''

''مگر مجھے معلوم ہے اس کے چار دروازے ہیں۔ ممکن ہے وہ دوسرے کسی دروازے سے باہر نکل گیا۔'' خان نے اسے بتایا۔

''یعنی میری محنت پر جھاڑو پھر گئی۔''

''نہیں، کافی ہے۔ میں اس طرف کی خبر لیتا ہوں۔ مگر مس ڈوبینک کا کیا ہوا؟''

''میں سمجھتا ہوں کہ وہ واپس اپنے فلیٹ پر گئی ہے۔''

''تم اس کا پیچھا نہ چھوڑو۔ ویسے اس آدمی کا حلیہ کیا تھا؟'' خان نے پوچھا۔

''سانولا رنگ، نکلتا قد، چلتے وقت ایک ہاتھ ذرا سا کن رہتا ہے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور ناک موٹی۔ ہونٹ بھی موٹے اور دانت... دانت بڑے بڑے ہیں۔ پیشانی تنگ ہے اور گردن لمبی مگر موٹی ہے۔''

بالے بتاتا جا رہا تھا اور خان نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ جب وہ ختم کر چکا تو خان نے اسے مس ڈوبینک کی خبر لینے کی ہدایت کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

کال بیل کے بجتے ہی چپراسی آ پہنچا۔

''ڈیسوزا صاحب کو بلاؤ۔'' اس نے حکم دیا۔

اور پانچ منٹ بعد ہی انسپکٹر ڈیسوزا اس کے سامنے موجود تھا۔

''لیجیے۔ یہ ایک آدمی کا حلیہ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ MOB میں انسپکٹر شاہ سے اس کے بارے میں معلوم کیجیے کہ آیا کبھی کوئی ایسا آدمی ریکارڈ پر ہے اور ہاں فوٹو ریکارڈز بھی چیک کر لیجیے گا۔''

''او کے، سر۔'' ڈیسوزا ن کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور سلام کر کے باہر چلا گیا۔ خان نے کلائی کی گھڑی دیکھی اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

کچھ دیر بعد ہی خان کی کار شہر کی ایک تنگ و تاریک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ اور لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ کیوں کہ یہاں کے جرائم پیشہ افراد کے لیے خان کی کار اتنی ہی جانی پہچانی تھی جتنی اس کی شخصیت۔ وہ پہلے تو کبھی یہاں نہیں آیا تھا۔ پھر آج کیا معاملہ تھا۔ وہ دور سے ہی جگہ جگہ جمع ہو کر اسے دیکھتے رہے۔ مگر کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس کا سبب جاننے کے لیے آگے بڑھتا۔

کار ایک خستہ سے مکان کے دروازے پر رک گئی اور خان گاڑی سے اتر کر اس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی جس نے مکان کا دروازہ کھولا وہ ایک سفید ریش ضعیف آدمی تھا۔ خان کو دیکھتے ہی وہ چونک پڑا۔ اور ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔

''اندر آجایے، جناب۔'' اس نے کہا اور خان اندر داخل ہو گیا۔

''آپ کے لڑکے کی کوئی اطلاع آئی؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

اس کے جواب میں ضعیف آدمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ایک پرانی کرسی

خان کے بیٹھنے کے لیے سامنے رکھ رہا تھا۔

''جج...جی ہاں۔آج ایک خط آیا ہے۔''

''لایئے، دیکھوں تو۔'' خان نے جلدی سے کہا۔ جواب میں بوڑھے نے اپنے کرتے کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر کانپتے ہاتھ سے اس کے سامنے رکھ دیا۔خان نے اس میں سے خط نکال لیا اور پڑھنے لگا۔اس میں لکھا تھا۔

پوجیہ پتا جی

میں نے ہزار جتن کر ڈالے مگر نہ نوکری ملی نہ کام۔میں ایسے میں آپ لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں۔مگر بھروسہ رکھیے، چاہے میری جان جائے، میں آپ لوگوں کو فاقے نہیں کرنے دوں گا۔نراش نہ ہوں۔جلد ہی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔فقط آپ کا بیٹا

سیتل

''ہُم۔'' خان نے خط لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔پھر وہ لفافے پر لگی مہروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ڈاک خانہ کی یہ مہریں مقامی ہی تھیں۔ایک تو اسی محلّہ کے ڈاکخانہ کی تھی اور دوسری...وہ اچھل پڑا۔دوسری اسی علاقے کی تھی جس میں باغِ نشاط واقع تھا۔

''نہ جانے...وہ اس پریشانی میں کیا کر بیٹھے۔'' بوڑھا یہ کہہ کر رونے لگا۔

''گھبرایئے نہیں، میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔'' یہ کہہ کر خان نے ایک دس روپے کا نوٹ بوڑھے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''ہائے رام... بھیک لینے کی نوبت آ گئی۔''اس نے چھت کو گھورتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''انسان انسان کے کام آتا ہے۔آپ اپنی بے عزتی نہ سمجھیے۔آپ کا بیٹا روزگار سے لگ جائے تو مجھے واپس کر دیجیے گا۔'' خان نے اس کی پیٹھ تھپک کر اسے تسلی دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

Akram Allahabadi

"اور کچھ تو نہ ہوگا مگر تھوڑی چائے تو آپ پی لیتے۔"

"میں چائے مقررہ اوقات میں ہی پیتا ہوں، ورنہ مجھے انکار نہ ہوتا۔" خان نرمی سے بولا اور خط اور لفافے کو جیب میں رکھ کر باہر نکل آیا۔

"دیکھیے، اب کوئی بھی نئی بات ہو تو اس نمبر پر مجھے ٹیلیفون کر دیجیے گا۔" خان نے اسے ایک کاغذ پر فون نمبر لکھ کر دیتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں، کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجیے گا۔"

"بہتر ہے۔" بوڑھے نے آستین سے اپنے آنسو پونچھ کر کہا۔

اور جب خان لوٹنے لگا تو دور دور چھترے کھڑے کچھ لوگ وحشت زدہ سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو جرائم کے کسی نہ کسی شعبے سے کبھی وابستہ رہ چکے تھے اور سپرنٹنڈنٹ خان کا نام ہی انھیں وحشت زدہ کر دیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

خان کی کار اب باغ نشاط کے دروازے پر رکی۔ دربان کو کیا خبر تھی کہ وہ کسی پولیس آفیسر کی گاڑی ہے۔ اس نے اسے دروازے پر ہی روک دیا۔

"صاحب، کس سے ملنے کا ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر جیکر تشریف رکھتے ہیں؟"

"ڈاکٹر صاحب.. ادر نہیں رہتا۔ وہ پونہ میں ہے۔"

"پونہ میں ہیں۔" خان نے حیرت کا اظہار کیا۔ "مگر میں نے سنا تھا کہ یہیں ہیں۔"

"نہیں صاحب، ڈاکٹر صاحب تو ایک مہینہ سے پونہ میں ہے۔" دربان نے بتایا۔

"پھر یہاں کون رہتا ہے؟"

"ادر کھالی رنگی صاحب اور ان کا میم صاحب رہتا ہے۔"

Akram Allahabadi

''یہ رنگی صاحب کوئی یوروپین ہے کیا؟'' خان نے اس سے بے تکلف ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، صاحب، ہندوستانی ہے۔ مگر یوروپین جیسا رعاب دکھاتا ہے۔'' وہ کسی قدر نفرت سے بولا۔

''معلوم ہوتا ہے تم رنگی صاحب کی نوکری سے خوش نہیں ہو؟''

''وہ صاحب ہے ہی ایسا آدمی۔ بات بات پر بگڑتا ہے۔ سب لوگ اس کے نام سے کانپتا ہے۔''

''سب لوگ؟ کیا اور بھی آدمی ہے یہاں؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

اس سوال پر وہ سٹ پٹا گیا۔ ''نہیں نہیں، صاحب، نوکر لوگ۔ سب نوکر لوگ۔''

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' خان مسکرایا۔

''نہیں، صاحب، ایسا کچھ نہیں ہے، صاحب۔'' وہ کانپ سا اٹھا۔

''خیر، کوئی بات نہیں۔ مجھے تو ڈاکٹر جیکر سے ملنا تھا۔'' خان نے بات ٹال دی۔ اتنے میں اندر سے کسی کار کو آتے دیکھ کر وہ ایک دم بدل گیا۔

''صاحب، بولا آپ کو اِدر کوئی نہیں ہے۔ کائے کو ٹائم کھوٹی کرتا ہے۔'' وہ لہجے میں بے زاری پیدا کر کے کہنے لگا۔

وہ ایک سیاہ رنگ کی لینڈ و باڈی کار تھی۔ اس کار سے مختلف تھی جس پر بالے پر حملہ کرنے والے غنڈے ایک بار فرار ہوئے تھے۔ اس میں دو آدمی بیٹھے تھے۔ ایک وہ جو کار چلا رہا تھا اور دوسرا جو پچھلی نشست پر تھا۔ اس نے کار دروازے پر ہی روک لی۔

''کیا بات ہے، دربان؟'' اس نے دربان سے سوال کیا۔

''صاحب، یہ صاحب اِدر کسی فرنانڈو صاحب کو پوچھتا ہے۔'' وہ جلدی سے بول اٹھا۔

Akram Allahabadi

''کون فرنانڈو؟'' وہ اب خان کی طرف مخاطب ہو گیا۔

''وہ اکاؤنٹس آفیسر ہیں۔'' خان نے چہرے پر معصومیت پیدا کر کے جواب دیا۔

''نہیں اس نام کا کوئی آدمی اس طرف نہیں رہتا۔ آپ کو غلط پتا دیا گیا ہو گا۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈرائیور کو کار بڑھانے کا اشارہ کیا اور ان کی کار چل پڑی۔

خان نے اس کے چہرے کی کیفیت اور اس کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اسے پہچانتا ہی نہیں اور نہ ہی اسے کسی قسم کا شک ہوا ہے۔

اس نے مسکرا کر دربان کی طرف دیکھا اور اپنی کار آگے بڑھا دی۔ اسے کچھ اور سوجھ گئی تھی۔

کار چلاتے ہوئے اس نے وائرلیس کمیونیکیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

''ہیلو... ایس کے کالنگ... کنٹرول... ایس کے کالنگ کنٹرول۔''

ایک منٹ بعد ہی اسے ڈیش بورڈ سے بھرّ بھرّاہٹ کے ساتھ آواز سنائی دی۔

''کنٹرول اٹنڈنگ... ایس کے... کم اِن پلیز۔''

''ڈائرکٹ کمیونیکیشن ڈائرکٹ کر دیجیے۔'' خان نے کہا۔

''او کے، سر، ون منٹ۔''

اور دوسرے لمحے اس کے نشریہ کا تعلق کنٹرول کی معرفت تمام اسٹیشنوں سے قائم کر دیا گیا۔

''ایس کے کالنگ... نارتھ پٹرول... ایس کے کالنگ... نارتھ پٹرول۔ کار نمبر BMX2201 لینڈ روباڈی... چھوٹا ٹائپ... شاید مورس۔'' اس نے ان الفاظ کو تین بار نشر کر کے سوئچ آف کر دیا اور اس کار کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنی کار کا رخ مغربی جرمنی کے قونصل خانے کی طرف کر دیا۔ قونصل خانے کی عمارت شہر کے مشرقی علاقے میں دوسری سرکاری عمارتوں کے درمیان واقع تھی۔ اسے وہاں تک پہنچنے میں بمشکل نصف گھنٹہ لگا۔

Akram Allahabadi

جارج ڈی الفرز نے اس کا کارڈ دیکھتے ہی اسے اندر بلوا بھیجا۔ وہ ایک گٹھیلے جسم کا خوش مذاق جرمنی آفیسر تھا۔

''فرمایئے، کیا خدمت کرسکتا ہوں آپ کی؟'' اس نے خان کو کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

''میں ڈاکٹر جیکر کے متعلق کچھ وضاحتی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''اوہ، آپ نے شاید ان کے ہی بارے میں مجھے فون بھی کیا تھا پہلے؟''

''جی ہاں۔'' خان مسکرایا۔

''دیکھیے، ڈاکٹر جیکر سے متعلق ہمیں بس اتنی ہی معلومات ہیں کہ وہ برلن کے مضافات میں ایک سرجیکل لیبوریٹری کے مالک تھے۔ ایک اچھے شہری ہیں۔ ویسے میں نے جب وہ ہندوستان آئے تھے ان سے گفتگو کے دوران یہی محسوس کیا تھا کہ وہ بہت کم گو واقع ہوئے ہیں اور ان پر نئے نئے تجربات کی دھن سوار رہتی ہے۔''

''کیا انھوں نے کبھی آپ سے اپنے کسی ایسے تجربے کا ذکر کیا تھا جو وہ ہندوستان میں کرنے والے ہوں؟''

''اوں...'' جرمنی آفیسر سوچنے لگا۔ ''شاید، ہاں۔ شاید وہ کہہ رہے تھے کہ وہ یہاں بھی محض تجربات کے سلسلے میں آئے ہیں۔''

''انھوں نے کسی خاص تجربے کا بھی ذکر کیا ہوگا؟''

''نہیں تو۔ لیکن یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟''

''محض ذاتی طور پر۔ لیکن یاد رہے کہ آپ مجھ سے وعدہ کرچکے ہیں کہ میرے یہ سوالات صرف آپ تک ہی رہیں گے۔''

''میں اپنے وعدہ کا پابند رہوں گا۔ لیکن میرے ذہن میں بھی ایک سوال کلبلا رہا

ہے۔'' جرمنی آفیسر نے کہا۔

''پوچھ ڈالیے۔''

''آخر ڈاکٹر جیکر کی شخصیت سے آپ کو اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟''

''اوہ، بس یہی بات۔ میں آپ کے اس سوال کا جواب ضرور دوں گا۔ لیکن کیا آپ اس کے لیے مجھے کچھ مہلت نہیں دے سکتے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ اگر کوئی مصلحت ہے تو بعد میں سہی۔'' جرمنی آفیسر مسکرایا۔

''تو پھر یہ بتا دیجیے کہ ڈاکٹر کی حیثیت جرمنی میں کیا تھی؟''

''وہ ایک مالدار آدمی ہے اور اس کے قریبی رشتہ داروں میں ایک بھتیجی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ کم از کم پیپرز میں تو اس نے یہی لکھایا تھا۔''

''خیر سر دست تو اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔ مزید ضرورت ہوئی تو پھر تکلیف دوں گا۔'' خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ضرور ضرور، جب چاہیں تشریف لائیں۔'' جرمنی آفیسر ن خوش اخلاقی سے کہا۔ لیکن اس نے خان کو چائے کے بغیر نہیں آنے دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دامادی

وہ جب واپس پہنچا تو اس کے آفس کے باہر ہی ایک آدمی موجود تھا، جو بڑی دیر سے اس سے ملاقات کرنے کے لیے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ خان نے اندر جاتے ہوئے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اپنا ہیٹ اتار کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا خبر لائے؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

''آپ کا خیال صحیح تھا۔ وہ اس کارخانہ کا حصہ دار ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا اس کی لڑکی بھی کوئی واسطہ رکھتی ہے؟''

''اس کے بارے میں کوئی ایسی بات تو نہیں معلوم ہوئی۔''

''خیر، اب ایک کام تمہیں اور کرنا ہوگا۔ گودی کے علاقے میں کچھ فرمیں غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کا ناجائز کاروبار کرتی ہیں۔ وہاں سے معلوم کرو کہ اس نے کس سے غیر ملکی کرنسی مقامی کرنسی میں تبدیل کرائی ہے۔''

''یہ کام فوراً تو نہ ہو سکے گا۔'' وہ آدمی ادب سے بولا۔

''کل سہی۔ پھر بھی جس قدر جلد ممکن ہو۔'' خان نے دبے لہجے میں کہا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خان نے اشارے سے اسے رخصت ہونے کی اجازت دی اور وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ خان ابھی کاغذات ہی دیکھ رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے رسیور اٹھا لیا۔

''سر، میں انسپکٹر رنبیر بول رہا ہوں۔ ماروی کی کھاڑی کے علاقے میں آج پھر ایک لاش پائی گئی ہے۔''

''کس قسم کی لاش؟'' خان نے جلدی سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''خودکشی کا کیس ہی معلوم ہوتا ہے۔اس کی جیب سے ایک رقعہ برآمد ہوا ہے۔اس میں یہی لکھا ہے کہ مصیبتوں سے تنگ آ کر وہ خودکشی کر رہا ہے۔''

''لاش کہاں ہے؟''

''پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی ہے۔''

''اور کچھ نہیں برآمد ہوا اس کے پاس سے۔''

''اور تو کچھ، لیکن اس تحریر کے نیچے دستخط نہیں ہیں۔مرنے والے کا انگوٹھا لگا ہوا ہے۔''

''کیا لاش کے فنگر پرنٹس لیے گئے؟''

''یس، سر۔وہ تحریر اور فنگر پرنٹ دونوں میں نے ابھی آپ کے پاس بھیجے ہیں۔''

''لاش پانی سے نکلی ہے نا؟''

''جی ہاں۔''

''لیکن گلی ہوئی نہیں ہے؟''

''ہے، سر۔بلکہ دو چار جگہوں سے اسے مچھلیوں نے نوچ بھی ڈالا ہے۔''

''خیر میں اس دیکھ لوں گا۔''

''او کے، سر۔''

فون کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی خان نے سب سے پہلے انسپکٹر سانے کو بلا کر پچھلی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ طلب کی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر نے اس میں لکھا تھا کہ موت کے اسباب کی تحقیق ناممکن ہے۔سوائے اس کے کہ ایک زخم سینے پر پے جو اندر داہنے پھیپھڑے تک اتر گیا ہے۔لیکن صرف یہ سبب کافی نہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں خون کا اندر بھی کافی مقدار میں جمع ہونا ضروری تھا۔کیس پراسرار ہے اور اس سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ اندر مصنوعی گردے لگے ہوئے ہیں جو

پلاسٹک کے ہیں۔پولیس کو یہ تحقیق کرنا چاہیے کہ آیا کبھی مرنے والے کے گردوں کا آپریشن ہوا تھا۔ویسے ہمارے خیال میں نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان میں بھی ایسے آپریشن اور مصنوعی گردے کا استعمال وجود میں نہیں آیا ہے۔لاش کے شکم پر داہنی طرف آپریشن کے دیے جانے والے ٹانکوں کے خفیف نشانات موجود ہیں۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آپریشن کو زیادہ مدت نہیں لگی ہوگی'۔

خان نے رپورٹ کو دو تین بار غور سے پڑھا اور پھر فائل میز کی دراز میں رکھ دی۔وہ کچھ سوچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

شوکت نے کئی بار اپنے جسم کو سکڑا سکڑا کر رسیوں کی بندش ڈھیلی کر ڈالی۔اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنی حماقت سے کسی چکر میں پھنس گیا ہے اور یہ لوگ اسے ضرور مار ڈالیں گے۔لیکن اتنی کوشش پر بھی وہ آزاد نہ ہو سکا۔کیوں کہ اس کمرے میں نہ تو کوئی کھڑکی تھی نہ روشندان جس سے کچھ مدد لی جا سکے۔ویسے بھی جسامت میں ہلکا پھلکا نہ تھا کہ کسی روشندان تک پہنچ ہی سکے۔اس نے منہ سے رومال بھی نکال لیا۔اب ایک ہی ترکیب اس کے ذہن میں تھی کہ دروازے کو زور زور سے پیٹ کر شور مچائے۔مگر پھر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے وہ باہر کوئی محافظ چھوڑ گئے ہوں۔اس طرح تو وہ اور بندشوں میں جکڑ دیا جائے گا۔وہ اسی شش و پنج میں پڑا ہوا تھا کہ باہر اسے کسی کار کے رکنے کی آواز آئی۔جس کے ساتھ ہی اسے کئی قدموں کی آہٹ سنائی دی۔وہ دروازے سے کان لگا کر سننے لگا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ اب اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔وہ دل ہی دل میں بالے کی دوستی اور اپنے جذبۂ سراغ رسانی پر ہزار بار لعنت بھیج رہا تھا کہ نہ اس کی بات سنتا نہ اس مصیبت میں پھنستا۔

Akram Allahabadi

پھر اس نے سنا باہر کا قفل کھولا جا رہا تھا اور اس کے بعد ہی دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا۔شوکت دروازے کی آڑ میں ہی چھپ گیا۔مگر بدن میں اتنی پھرتی کہاں تھی کہ ان کے اندر داخل ہوتے ہی خود فوراً باہر نکل جاتا۔اس نے کوشش یہی کی تھی،مگر دو مضبوط ہاتھوں نے پیچھے سے اس کا کالر تھام لیا۔

''چلے کہاں موٹے؟''ایک بھاری آواز نے کہا اور شوکت کا خون خشک ہو گیا۔

تو کیا واقعی یہ اس کی جان کے درپے ہو گئے ہیں۔ان کے موڈ سے تو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔شوکت نے دیکھا آنے والے وہی دو آدمی تھے،لیکن ان کے ساتھ ایک تیسری ہستی بھی تھی۔یہ ایک خوف ناک سی شکل کا قد آور آدمی تھا،جس کی صورت شوکت نے پہلی ہی بار دیکھی تھی۔وہ شوکت کو سر سے پیر تک گھورنے لگا۔

''نہیں،یہ نہیں ہے۔''اس نے سر کو جھٹکا۔''مگر یہ ہے کون کمبخت؟''وہ بڑبڑایا۔

''یہ کہتا ہے کہ اسے ڈونی سے عشق ہو گیا ہے۔''ان دو آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

''ہاں جاؤ ہو گیا ہے۔سالے پتھر مارو گے اور کیا کرو گے۔مارو لو مارو۔''شوکت کا بھیجہ پھر گیا۔کیوں کہ اس آدمی کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

''تم کون ہو؟''اس خوف ناک شکل والے نے شوکت سے براہِ راست سوال کیا۔

''اللہ کا بندہ ہوں۔اپنے ماں باپ کی اولاد ہوں۔بولو،تمہیں کیا؟ کسی سے عشق کرنا کون سا گناہ ہے۔کوئی تعزیرات ہند کا جرم ہے جو پھانسی چڑھا دو گے تم؟''شوکت نے عقل مندی سے اپنی پر اڑے رہ کر کہا۔لیکن یہ صرف جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا،ورنہ ڈرا ہوا اب بھی تھا۔

''تمہیں ڈونی سے کیوں عشق ہوا ہے؟''آنے والے کسی قدر سنجیدگی سے پوچھا۔

''اے لو،یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔بس ہو گیا،اس میں کیا۔اب کیا میں تمہیں بھی غالبؔ صاحب کا شیر سناؤں؟''

''خیر کوئی بات نہیں۔ہمیں بھی ایک ایسے ہی داماد کی ضرورت تھی جو سچ مچ ڈونی سے ایسا ہی عشق کرتا ہو۔مگر ہم تمہارا امتحان لیں گے۔''نووارد نے یہ کہتے ہوئے اپنا موڈ ایک دم بدل دیا۔وہ نرم پڑ گئے۔

''کاہے کا امتحان؟''شوکت نے پلکیں جھپکا کر کہا۔

''تمہاری وفاداری کا۔تمہارے عشق کا۔اور اگر تم کامیاب ہوئے تو ڈونی تمہاری۔''وہ کہنے لگا۔

''ڈونی،یا نی وہ لڑکی؟''شوکت نے سوال کیا۔

''ہُم۔''وہ مسکرایا۔

''تو تم اس کے...؟''شوکت نے کہنا چاہا۔

''وہ میری بھتیجی ہے اور یہ سب اس کے بھائی ہیں۔اس لیے تو غصے میں تمہیں یہاں اٹھا لائے تھے۔''وہ آدمی دوسروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''ارے تو لو نا امتحان۔میں بھی تو کتنا بے قرار ہوں اس کے لیے۔''شوکت کی کھوپڑی پر اب واقعی طور پر مس ڈوینک سوار ہو گئی۔اس کی تصویر شوکت کی آنکھوں میں ناچنے لگی۔کتنی حسین،کتنی انوکھی اور پر کشش۔

''بھئی دیکھو،اب یہ ہمارے ہونے والے داماد ہیں۔انھیں عزت کے ساتھ ہمارے گھر لے چلو اور ڈونی کو بھی وہیں بلا لینا۔''اس آدمی نے ان دو ساتھیوں سے کہا۔اور وہ ادب سے اس کے سامنے جھک گئے۔پھر انہوں نے خود شوکت کی رہنمائی کی کہ وہ باہر نکلے۔باہر ایک سیاہ رنگ کی کار موجود تھی۔

شوکت اور اور وہ نووارد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور وہ دونوں آدمی اگلی سیٹ پر۔ان میں سے ایک کار ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے اس وقت اسی میک اپ میں تھا جس میں وہ پہلے دن گرین سرکل پہنچا تھا۔ وہ اس وقت مس ڈوبینک کے فلیٹ والی بلڈنگ سے دور سڑک کے مقابل بت سے لگا کھڑا تھا اور اس کی نظریں اس عمارت کی طرف تھیں۔ لیکن یہ ایک اتفاق تھا یا ان ہونی کہ اسی وقت سامنے سے گزرتی ہوئی ایک کار اسے دیکھ کر رک گئی۔ بالے نے چونک کر دیکھا۔ اس میں وہی سونی کٹی والا گجراتی اور اس کی بیٹی سرلا بیٹھے ہوئے تھے۔ سرلا اسے دیکھتے ہی آواز دینے لگی۔

''اے مسٹر، اے۔''

بالے کو متوجہ ہونا ہی پڑا۔ وہ شاید اس کا نام بھول چکے تھے، ورنہ باپ نے ہی بیٹی کو بتا دیا ہوتا۔

''یس، مس؟'' بالے قریب آ کر بولا۔ ''اوہ، آپ لوگ!'' مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے وہ بولا۔

''کیوں بھائی، تم تو ایسے غائب ہوئے کہ اس دن سے نظر ہی نہیں آئے؟''

''جی، وہ... میں نے سوچا، یعنی زبردستی کیوں آپ پر کام کے لیے بوجھ بنوں۔'' بالے نے کہنا چاہا۔

''اونہوں نہہ، یہ نخرے نہیں چلیں گے۔ مجھے تو تم جیسے وفادار آدمی کی ہی تلاش تھی۔ اس دن جب سرلا نے مجھے بتایا کہ تم نے اسے کالج کے پاس غنڈوں سے بچایا تھا تو میں کتنا خوش ہوا تھا۔ مگر تم تو پھر آئے ہی نہیں۔'' سیٹھ جی فرمانے لگے۔ ان کے لہجے میں بڑی شفقت تھی۔

''میں نے سوچا مجھ میں اور آپ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب کوئی سیدھے منہ بات ہی نہ کرے تو کیوں اپنی عزت نیلام کی جائے۔'' بالے کا اشارہ سرلا کی طرف تھا۔ مگر اس وہ بگڑی نہیں، بلکہ مسکرا رہی تھی۔

''مگر میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔'' وہ ضد

کرنے لگی۔

''کیوں، ڈیڈی؟'' اس نے باپ سے بھی تائید چاہی۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ ہم انھیں چھوڑنے والے نہیں اس وقت۔'' باپ بولا۔

''دیکھیے نا میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔ اس وقت دراصل...''

''اس وقت کیا؟''

''مجھے ایک آدمی کا انتظار ہے۔''

''اور ہم جو اتنے دنوں سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں؟'' سرلا بول اٹھی۔ ''نہیں، اس وقت آپ کو چلنا ہی ہوگا۔'' اس نے کچھ اس انداز سے ضد کی کہ بالے ٹال نہ سکا۔ اس نے سوچا بھی ابھی تو مس ڈوبینک گھر میں ہی ہے، کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے سرلا کی ضد پوری کر دی جائے۔ وہ مجبوراً ان کی مار میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔

اس کار کے سڑک کو عبور کرتے ہی دوسرے موڑ سے ایک دوسری کار اس سڑک میں داخل ہوئی اور اسی عمارت کے سامنے رک گئی، جس میں مس ڈوبینک کا فلیٹ تھا۔ پھر اس کا ہارن بار بار بجایا جانے لگا۔ ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ عمارت کی سیڑھیوں سے مس ڈوبینک اترتی نظر آئی۔ وہ تیزی سے اس کار میں داخل ہو گئی اور کار چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

نہ جانے کیوں اس وقت سرلا کے قرب کے باوجود بالے ایک عجیب سی الجھن محسوس کر رہا تھا، جیسے اس نے ان لوگوں کے اخلاق سے دب کر اپنے فرض سے غداری کی ہے۔ اسے اندیشہ ہو رہا تھا کہ کہیں اس کے ہٹنے پر مس ڈوبینک غائب نہ ہو جائے۔ خان نے کچھ سمجھ کر ہی اسے اس پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی۔ ضرور کوئی واقعہ ہونے والا ہوگا۔ وہ اسی دھن میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک سامنے سے کسی کار کی بریک لگا کر رکنے کی آواز آئی۔ اس وقت کیوں کہ

شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا اور سڑک سونی تھی، اس لیے اس کی ہیڈ لائٹس کی چمک کے علاوہ آواز بھی صاف سنائی دے گئی۔ اور بالے چونک پڑا۔ ایک لمبی سیاہ کار نے ان کی کار کا راستہ روک لیا تھا۔ پھر اسے اس میں سے دو آدمی اترتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور بھی تھے۔ بالے نے پہلے تو جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا مگر پھر کچھ سوچ کر خالی ہاتھ نکال لیا۔ وہ سرلا کی کار کے دونوں سمت آ کر کھڑے ہو گئے۔

''اے مسٹر، تم باہر نکلو۔'' ان میں سے ایک نے ریوالور کا رخ بالے کی طرف کر کے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''فوراً، ورنہ شوٹ کر دوں گا۔''

''مگر کیوں، بھائی؟ یہ تو میرا...'' سرلا کے باپ نے کہنا چاہا۔

''تم مت بولو بیچ میں۔ چلو جلدی کرو۔''

بالے بڑی مظلوم صورت بنا کر سرلا کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا کار سے اتر آیا۔

''مم... میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گا۔'' سرلا کے باپ نے ہکلا کر کہا۔ اور سرلا کے چہرے پر جو بے چینی کے آثار تھے، وہ بھی بالے سے چھپے نہ رہے۔

''پتا جی، روکیے ان غنڈوں کو۔ وہ اسے لے جا رہے ہیں۔'' وہ باپ سے التجا کر رہی تھی۔

''چلو، ہم ابھی پولیس اسٹیشن چلتے ہیں۔ چلو ڈرائیور۔'' سیٹھ جی نے ڈرائیور سے کہا۔ لیکن ان آدمیوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ انھوں نے ریوالور کی زد میں بالے کو اپنی کار میں بٹھا دیا اور ان کی کار اسٹارٹ ہو گئی۔ سرلا کے باپ کی کار پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

راؤنڈ اپ

خان نے مرنے والے کے فنگر پرنٹس اور خودکشی کی تحریر والے انگوٹھے کے نشان کو اچھی طرح ملا کر دیکھا۔ وہ ایک ہی تھے۔ لیکن اسی کاغذ پر فنگر پرنٹس بیورو کے میجر نے جو دو انگوٹھوں کے مختلف نشان ابھار کر دیے تھے، وہ مرنے والے کے نہ تھے۔ شام کو ۵ بجے سے خان اور ڈیسوزا نشان انگشت کے مجرموں کے ریکارڈز میں بھی سر کھپا رہے تھے۔ لیکن وہ نشانات کسی سے نہ مل سکے تھے۔

''ارے ہاں، بالے کو اس آدمی نے جو سلپ دی تھی، اس پر بھی تو اس کے انگوٹھے کا نشان ابھارا گیا تھا۔'' خان کو اچانک یاد آ گیا۔ اس نے ڈیسوزا سے پوچھا۔ ''وہ سلپ کہاں ہے؟''

ڈیسوزا کو خان کی اس ذہنی کیفیت پر ہنسی آ گئی۔

''وہ تو آپ کی میز کی دراز میں ہی ہے۔'' وہ دراز سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے بولا۔ اور خان نے جیسے ہی اس نشان کو ان نشانات سے ملایا، وہ اچھل پڑا۔

''ان میں سے ایک وہی ہے۔'' وہ بولا۔

''لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''میں اس کے باپ کو بھی جانتا ہوں۔'' خان موڈ میں بولا۔ ''وہ ڈکشٹ ہے۔''

''کون ڈکشٹ؟''

''جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ بس اب مجھے صرف ایک رپورٹ کا انتظار ہے۔'' خان نے بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولا۔ وہ اپنے اردلی سے اس عرصے میں کئی بار کسی فون کے بارے میں پوچھ چکا تھا۔ شاید بڑی دیر سے اسے کسی کے فون کا انتظار تھا۔

Akram Allahabadi

سات بج کر ۳۵ منٹ ہوئے تھے کہ چپراسی نے گھبرائے ہوئے اندر آ کر خبر دی۔

''صاحب، وہ فون آیا ہے۔''

خان جلدی سے اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے کوئی بول رہا تھا۔

''صاحب، بدری داس کے یہاں سے ڈیسانی نے ۲۰ ہزار ڈالر کے ہندوستانی کرنسی کیش کرائی تھی۔''

''کب؟''

''پچھلے ہفتے۔''

''اور کچھ؟''

''صرف اسی کا علم ہوسکا ہے۔ اس نے بدری داس کو بتایا تھا کہ ایک قیمتی ہیرا ایک جرمن کروڑ پتی کو اس نے فروخت کر کے یہ ڈالر حاصل کیے تھے۔''

''اور وہ جرمنی کروڑ پتی سوائے ڈاکٹر جیکر کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' خان بڑبڑایا۔

''جی؟'' ادھر سے کہا گیا۔

کچھ نہیں۔ تمہارے کام کی بات نہیں۔ اچھا آرام کرو۔'' خان نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔

''چلیے، ڈیسوزا صاحب۔'' خان نے اسٹڈی میں واپس آ کر کہا۔

''تو کیا آج ہی؟''

''ہاں۔ یہ ڈرامائی سٹ اپ ہے۔ آج اس کا ڈراپ سین ہونا ہی چاہیے۔''

''لیکن آج ہی کیوں؟''

''جتنے لوگ غائب تھے، تقریباً سب کے ہی گھر وہ ہر گمشدگان کے ایسے ہی خطوط آ چکے ہیں، جن سے زندگی سے بیزاری اور کسی خطرناک اقدام کی دھمکی ٹپکتی ہے۔''

''تو کیا یہ اسی سلسلے کی کڑی ہے؟'' ڈیسوزا نے کہنا چاہا۔

Akram Allahabadi

''صرف چند گھنٹوں میں سب کچھ جان لوگے۔میرا خیال ہے کہ بالے کی حرکت سے چونک کر وہ اپنا کام جلد از جلد ختم کر دینے پر تیار ہو گئے ہیں۔'' خان نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆

لیکن وہ ابھی کار میں ہی تھے کہ خان کی گھڑی کا سیکنڈ والا دائرہ روشن ہو گیا۔اس نے چابی گھما کر اسے کان سے لگا لیا۔اس میں سے بالے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''بالے کالنگ،سر۔جالے کالنگ ایس کے۔''

''کم ان،بوائے۔''

''لوکیشن نارتھ زون...تھری زیرو...''اور اچانک اس سے آواز آنی بند ہو گئی۔

''اوہ،معلوم ہوتا ہے بالے بھی پھنس گیا۔''خان نے ڈیسوزا سے کہا۔''وہ اس پر اسی وقت سے شبہ کر رہیں جب وہ مس ڈومینک سے ملا تھا۔''خان نے یہ کہا اور گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔

''اس وقت ہم کہاں چل رہے ہیں؟''ڈیسوزا نے پوچھا۔

''شمالی علاقے میں۔''خان مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

لیکن تھوڑی سی دیر بعد ڈیش بورڈ میں لگے وائرلیس سیٹ کا انڈیکیشن بلب اسپارک کرنے لگا۔اس نے سوئچ آن کر دیا۔

''کنٹرول کالنگ ایس کے۔''

''یس،کم ان۔''خان نے کہا۔

''انفارمیشن فرام فریئر روڈ پولیس اسٹیشن،اوور۔ڈیسائی ایک کمپلینٹ دینے آیا ہے،اوور۔''

''انھیں اطلاع دیجیے کہ وہ اسے دوسری ہدایت تک روک رکھیں، اوور۔'' خان نے کہا۔ جواب میں اسے ''اوکے، سر'' سنائی دیا اور نشریہ ختم ہوگیا۔

اچانک خان کی کار ایک دھچکے سے باغِ نشاط کے باہر سڑک کے کنارے رک گئی۔ اس نے روشنیاں بجھادی تھیں۔ پھر وہ پیدل کار سے اتر کر اس دربان کے پاس پہنچا جو دروازے پر ڈیوٹی دے رہا تھا۔ وہ خان کو دیکھتے ہی گھبرا سا گیا۔

''صاحب، آپ اِدر چلا آیا؟''

''اوہ، تم ڈر رہے ہو۔ مگر میں دوپہر کو تمہیں دفتر میں یقین دلا چکا ہوں کہ پولیس تمہاری حفاظت کرے گی اور کہ تمہیں انعام بھی ملے گا۔'' خان نے کہا۔

''صاحب، آج ریگی بہت غصّے میں ہے۔ اسے شک بھی ہوگیا تو میرا معاملہ صاف۔''

''گھبراؤ نہیں، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ صرف تھوڑی دیر کا معاملہ ہے۔''

''اچھا، صاحب، سنو۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اندر دو بند گاڑی آیا تھا، کمپنی کا۔'' چوکیدار سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

''پھر کہاں گئیں وہ گاڑیاں؟'' خان نے جلدی سے پوچھا۔

''پھر وہ گاڑیاں واپس گیا اور ریگی صاحب بھی۔''

''مگر کہاں؟''

''یہ مجھ کو مالوم نئیں۔ مگر گاڑی کمپنی کا تھا۔ اور ہاں صاحب میم صاحب کو بھی لے گیا ہے۔''

''اوہ، خیر۔'' یہ کہہ کر وہ ڈیسوزا کی طرف پلٹا۔ ''مسٹر ڈیسوزا، وہ سامنے جو ٹوٹی ہوئی عمارت ہے، اس کے پیچھے ہمارے کم از کم بیس مسلح آدمی موجود ہیں۔ آپ فوراً باغِ نشاط پر چھاپا مار کر اس کے چپہ چپہ کی تلاشی لے ڈالیے۔''

Akram Allahabadi

''مگر سر...؟'' ڈیسوزا نے کہنا چاہا۔

''اوہ، اس کی فکر نہ کیجیے۔ میں حکام بالا سے اس کی اجازت لے چکا ہوں۔'' خان نے کہا۔ ''مجھے فوراً زندوں کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے کار کی طرف لپکا اور اندر بیٹھ کر فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ڈیسوزا کی سمجھ میں کچھ آیا کچھ نہ آیا۔ بہر حال وہ پیدل ہی چلتا ہوا اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگا، جو باغ نشاط کے دائیں سمت واقع تھا۔ دربان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

خان کی کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے اتنی تیز کار شاید ہی کبھی دوڑائی ہو۔ اسے اس وقت شمالی علاقے کی ۳۰۷ نمبر کی سڑک پر پہنچنا تھا۔ یہ نمبرنگ خفیہ پولیس کی اپنے خفیہ کوڈ کی نمبرنگ تھی۔ جس میں سڑکوں کے نام کی جگہ خفیہ نمبر استعمال کیے جاتے تھے تاکہ نشریے کہیں اور پکڑے جائیں تب بھی اصلیت معلوم نہ ہو جائے۔

یہ کارخانوں کا علاقہ تھا، جس میں دوسرے کارخانوں سے ذرا دور ہٹ کر ایک ویران اور وسیع و عریض کمپاؤنڈ کے اندر انڈین پلاسٹکس کا کارخانہ قائم تھا۔ جہاں اعلیٰ قسم کے پلاسٹک کے سامان تیار کیے جاتے تھے۔ یہاں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کیوں کہ ان کارخانوں میں صرف دن کی شفٹ چلتی تھی۔ اس کی کار جیسے ہی اس کارخانے کے احاطے والے بیرونی دروازے پر رکی، اندھیرے میں احاطے کی دیوار کالے کالے سائے اگلنے لگے۔ وہ سب دوڑ کر خان کی کار کے قریب آ گئے۔ ان میں سب سے آگے انسپکٹر شاہ اور انسپکٹر سید تھے۔ یہ دونوں خان کے مستعد ماتحتوں کی فہرست میں ذمہ دار مقام رکھتے تھے۔

''یہاں کیا کیا ہو گیا؟'' خان نے انسپکٹر شاہ سے پوچھا۔

''ہمارے آدمیوں کو بڑے احتیاط چھپا کر رکھا گیا ہے۔'' انسپکٹر سید جلدی سے بولا۔

''میرا سوال دوسرا ہے۔'' خان مسکرایا۔

''یہاں سے دو بند گاڑیاں جن پر انڈین پلاسٹکس لکھا تھا نکل کر گئی تھیں۔ شاید تین

چوتھائی گھنٹہ قبل۔'' انسپکٹر شاہ نے بتایا۔

''اوہ، تو وہ یہاں سے گئی تھیں؟ اور آپ نے خبر بھی نہ کی؟'' خان نے چونک کر کہا۔

''اچانک ہی یہ بات ہوئی تھی اور پھر ہمیں خود آپ کا انتظار تھا۔'' شاہ نے کہا۔

''پتا نہیں، شاید بروقت خبر ہو جانے سے ہم کچھ جانیں بچا سکتے۔'' خان بڑبڑایا۔ مگر اس کی بات ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ''خیر، جو ہوا سو ہوا۔'' وہ خود ہی سر کو جھٹک کر بولا۔

''کارخانہ بند ہے۔ اندر شاید کوئی بھی نہیں۔ وہ گاڑیاں کہیں مال پہنچا کر واپس بھی آ چکی ہیں۔ اور ان کے ڈرائیوروں کو ہم نے خود جاتے دیکھا ہے۔'' شاہ نے بتایا۔

''ان کے علاوہ کچھ اور؟''

''جی ہاں۔ دو کاریں اور آئی تھیں۔ ایک کالے رنگ کی لمبی سی کار اور ایک سیاہ لینڈ و باڈی، جو شاید مورس...''

''اس کی اطلاع مجھے مل چکی ہے۔ لیکن کیا وہ بھی واپس چلی گئیں؟''

''جی ہاں۔ تھوڑی دیر بعد واپس چلی گئی تھیں۔ اور کوئی آدمی گیٹ کیپر سے چیخ کر کہہ رہا تھا، 'کام اب ختم ہو چکا ہے۔ اب کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے'۔''

خان نے شاہ کی بات پر دھیان دینے کی بجائے ایک طائرانہ نظر تاریک احاطے پر ڈالی اور پھر ان دونوں ماتحت افسروں کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔

''میں اندر جا رہا ہوں۔ آپ لوگ گیٹ کیپر کو اپنے قبضے میں لے کر احاطے میں آدمیوں سمیت داخل ہو کر چاروں طرف سے کارخانے کی عمارت کو گھیر لیں۔ فائرنگ کی آواز سنتے ہی ایکشن سمجھیے۔''

''او کے سر۔'' انسپکٹر شاہ نے اٹھ کر کہا۔

اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے خان نے اپنی کار کی چھت پر چڑھ کر ایک جست کی اور کمپاؤنڈ کی دیوار پر پہنچ گیا۔ پھر دوسرے لمحے وہ ان کی نظروں غائب تھا۔ وہ اس کے حکم پر عمل

کرنے کو تیار ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

شوکت کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کس جگہ ہے۔اس تو آنکھوں پر پٹی باندھ کر کار میں یہاں لایا گیا تھا۔اور یہاں اسے کئی پر پیچ مختصر راستوں سے تاریکی میں گزرنا پڑا تھا۔لیکن اس وقت وہ مس ڈومینک کو سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول چکا تھا۔وہ اسے مسحور کر دینے والی نظروں سے گھور رہی تھی اور شوکت کے دل و دماغ پر شراب کئی قرابے لڑھکے جا رہے تھے۔کمرے میں وہ دونوں تنہا ہی تھے۔

"ہائے،ایسی نظروں سے نہ دیکھو کہ کمہار آ جائے۔میں پانی خمار۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو۔" وہ اس کے گالوں پر ہلکی سی تھپکی لگا کر بولی۔پھر اس نے شوکت کے سینے پر اس طرح سر ٹیک دیا کہ اس کے سر کے بال شوکت کی ناک یں گھسنے لگے اور اسے بے تحاشا چھینک آ گئی۔

"لوسالی چھینچ بھی ابھی آنی تھی، ہت تیری کی۔" وہ اپنی ناک پکڑ کر بولا۔

"ڈیئر ،پاپا تمہارا امتحان لے رہے ہیں۔تم اس کاغذ پر دستخط کر دو، پھر ہماری شادی ہو جائے گی۔"

"مگر میں انگریزی پڑھا بہت کم ہوں۔" شوکت نے کہا۔

"تو میں سنا دوں نا تمہیں۔اس میں لکھا ہے کہ کیوں کہ میری محبوبہ مجھے نہیں مل سکی، اس لیے میں اپنی مرضی سے خودکشی کر رہا ہوں۔"

"اے لو، میں کاہے کو کروں خودکشی۔اللہ میاں نے بھیج دیا تو تمہیں۔"

"اوہ، تم سمجھتے نہیں۔پاپا تمہیں آزما رہے ہیں۔وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم مجھ سے

کتنی شدت سے محبت کرتے ہو۔''

''یہ بات ہے۔ارے شدید ترین بلکہ شداوترین، یانی شدید کی جمع۔لاؤ ایسے ہزار کاغذوں پے دستخط کردوں۔''شوکت نے یہ کہہ کر کاغذ گھسیٹا اور موڈ میں آ کر دستخط کر دیے۔

''اوہ، تم کتنے اچھے ہو، ڈیئر۔'' وہ یہ کہہ کر شوکت سے لپٹ گئی اور جب اس نے فراخ دلی سے اپنے سرخ سرخ ہونٹ شوکت کے موٹھے بھدے ہونٹوں سے ملا دیے تو شوکت کی کھوپڑی ہوا ہوگئی۔اس نے وہی عبارشوکت سے اردو میں بھی لکھوالی۔

''اور سنو، ڈیئر، پاپا بڑے دل چسپ آدمی ہیں۔وہ تمہیں ڈرانے کے لیے آپریشن ٹیبل پر لٹا کر بے ہوش کریں گے، یہ کہہ کر وہ تمہارا آپریشن کریں گے، اور تم اس وقت تک ڈرے نہیں تو بس میں تمہاری اور تم ہمیشہ کے لیے میرے۔''اس نے شوکت کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''مگر کہیں سچ مچ آپریشن تو نہیں کر دیں گے؟''

''عجیب آدمی ہو۔اور وہ تو سب تمہیں آزمانے کی باتیں ہیں۔مگر خبردار کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں نے تمہیں سچ سچ بتا دیا ہے۔تم تو وہاں یہی رٹتے رہنا کہ ایک کیا میں تو ڈونی کے لیے ہزار جانیں دے سکتا ہوں۔''اس نے سکھایا۔

''اور میں تو کیا، ہزار دے سکتا ہوں۔''شوکت نے اس کے الفاظ دوہرائے۔لیکن دل ہی دل میں اس نے 'جانوں' کی جگہ 'روپوں' کا استعمال کیا تھا۔بھلا چھوکریوں کے لیے جان دینا کس گدھے نے سکھایا ہے۔

''اچھا میں جاتی ہوں، نہیں تو پاپا سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''تو پھر کب ملوگی، میری جان بہار آفریں۔'' وہ اپنی سمجھ کے مطابق ایک رومانی خطاب سے اسے نوازتے ہوئے بولا۔

''ابھی تھوڑی دیر بعد ۔بس تمہارا امتحان ہو جائے ۔''

''ہائے، وہ جو کہا ہے کسی شائر نے کہ موجت میں بھی ہوتے ہیں سالے امتحان کیسے کیسے ۔جیو بیٹا شائر سالے ۔'' وہ رٹتا ہی رہ گیا اور ڈونی چلی گئی ۔اس کے جاتے ہی وہی بھاری قامت والا آدمی اندر آ پہنچا ۔

''دستخط کیے تم نے؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا ۔

''اے لو، جتنے کہو کر دوں ۔ یہ کیا کیے ہیں ۔'' شوکت نے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا ۔

''شاباش ۔بس اب ایک امتحان اور ہے ۔آؤ، میرے ساتھ آؤ ۔'' وہ دروازے کی طرف چلتے ہوئے بولا ۔شوکت اس کے پیچھے ہو لیا ۔مگر جس جگہ پہنچ کر روکا گیا، اس مقام کو دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا ۔یہ تو کوئی شان دار قسم کا آپریشن تھیٹر ہی تھا ۔

''کیوں، ڈر گئے کیا؟''

''اے لو، ڈرتا کون ہے ۔ پیار کیا تو کیا ڈر ۔'' شوکت اکڑ کر بولا ۔پھر وہ زیرِ لب بڑبڑایا ۔''سالے، آزمالو ۔ڈونی نے مجھے سب پہلے ہی بتا دیا ہے ۔''

مگر جب اسے آپریشن ٹیبل پر لٹا کر ہاتھوں پر کلیمپ چڑھائے جانے لگے تو اچانک اسے جھرجھری سی آ گئی ۔ایک دم اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں یہ سب کچھ واقعی طور پر تو نہیں ہو رہا ہے ۔اور اس سے خودکشی کی تحریر پہلے ہی لکھائی گئی ہے ۔یہ خیال آتے ہی اس کا سارا عشق، ساری بہادری ہوا ہو گئی ۔ایک ایسی بھیانک چیخ اس کے حلق سے نکلی جیسے کسی بکرے کو ذبح کرتے وقت اس کے حلق سے نکلتی ہے ۔

''شش ۔اسی دم پر ڈونی کو حاصل کرو گے ۔'' پاس کھڑے ہوئے اسی آدمی نے طعنہ دیا ۔اور شوکت کے خوف پر پھر ڈونی مسلط ہونے لگی ۔

ٹھیک اسی وقت کمرے میں کسی کے قدموں کی چاپ گونجی اور وہ تمام لوگ مؤدب

ہو گئے ۔یہ ایک سفید فام آدمی تھا،جس کا نصف چہرہ تک سفید کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔صرف آنکھیں اوراوپر کی ناک کھلی تھی ۔وہ سرتاپا ڈاکٹروں کے آپریشن والے لباس میں تھا۔اسے دیکھ کرشوکت کی روح کانپ گئی ۔لیکن اسی وقت اس کی نظر پاس والی اس میز پر پڑ گئی جس پر اس جیسا ایک اور آدمی بے ہوش پڑا تھا۔اس کے ہاتھوں کے کلیمپ کھلے ہوئے تھے۔شاید بے ہوشی کے بعد ان کی ضرورت نہ ہوتی ہو۔اسے دیکھتے ہی شوکت کی کھوپڑی میں تارے ناچ گئے ۔وہ بالے تھا۔

''اسے بے ہوش کرو۔'' وہ آدمی جوسفید لباس میں ابھی اندر آیا تھا،اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوکر تحکمانہ لہجے میں بولا۔اوراس حکم کے ساتھ ہی دوآدمی شوکت پر جھپٹ پڑے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں کلورافارم کا رومال بھی تھا۔

''ارے بچاؤ...ارے بالے.... بھائی....ای۔''شوکت کی چیخ کمرے میں گونجی مگر اس کے ساتھ ہی اچانک دوسری میز پر بے ہوش پڑے ہوئے بالے نے ایک جست کی اوراس طرح اچھل کران آدمیوں پر گرا کہ وہ سب ہکا بکا رہ گئے ۔ان میں سے ایک تو ایک ہی گھونسے میں زمین چاٹنے لگا اور دوسرا بھونچکا ہی کھڑا تھا کہ اس کے پیٹ پر بالے کی لات پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

اس وقت شوکت نے بھی بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔وہ آدمی جوڈونی کا ڈیڈی بنا ہوا تھا،جیب سے پستول نکال کر بالے پر فائر کرنے ہی والا تھا کہ شوکت نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ میں کاٹ کھایا۔دانت اتنی زور سے گڑائے کہ وہ تلملا گیا اور پستول دور جا گرا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر جیکر

''یہ دو گدھے نہیں سنبھلتے تم سے؟'' وہ سفید فام آدمی اچانک گرجا اور اس کی آواز کے ساتھ کمرے میں موجود تینوں توان پر ٹوٹے ہی مگر تین آدمی اور دوڑ کر اندر آ پہنچے۔ بالے تو خیر اکیلا دو چار کو ہی کافی تھا۔ لیکن شوکت نے کبھی ایسی لڑائیاں نہیں لڑی تھیں۔ کچھ دیر تو وہ ان کے گھونسے کھاتا رہا، مگر پھر اسے بھی جوش آ گیا اور اس نے پاس پڑی ہوئی ایک کرسی اٹھالی اور خود بھی گھوم گھوم کر اسے گھمانے لگا۔ اور اس طرح کچھ دیر کے لیے مرمت سے بچ گیا۔ بالے نے ان میں سے دو کے جبڑوں میں سے خون نکال دیا تھا۔ ایک پیٹ پکڑ کر ایسا گرا تھا کہ اٹھ ہی نہ سکا۔ لیکن اسی وقت انھیں اس سفید پوش سفید فام کی کڑکتی آواز سنائی دی۔

''اچھا بند کرو یہ تماشا، ورنہ میں گولیوں سے تمہارے بدن چھید دوں گا۔'' اس کے ہاتھ میں ایک اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔ انھیں ہاتھ روکنے پڑے۔

''یار بالے بھائی، خدا حافظ۔'' شوکت بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''گھبراؤ نہیں، اس درندے کا آخری وقت آ گیا ہے۔'' بالے نے سفید فام آدمی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''درندہ؟'' وہ ہنسا۔ ''بے وقوف، میں انسانیت کی عظیم ترین خدمت کر رہا ہوں۔ میں اپنے اس تجربے کی کامیابی کے بعد مردوں کو زندہ کر دکھاؤں گا۔ میں دنیا کا سب سے بڑا موجد کہلاؤں گا۔ نادان، میرے ہاتھوں انسان کو حیاتِ جاوداں ملے گی۔'' وہ بلند آواز میں کہنے لگا۔

''ابے تم شیطان ہو، سالے۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والے کتے کی موت مرتے ہیں۔'' شوکت جوش میں آ کر بولا۔

''میرے تجربے اپنی آخری منزل کو پہنچ چکے ہیں۔ میں نے مصنوعی دل، مصنوعی گردوں اور مصنوعی دماغ سے سات آدمیوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ تھوڑے وقت کے لیے ہی زندہ رہ سکے۔ لیکن تم دونوں کو میں موت کے حوالے کر کے دوبارہ زندہ کروں گا۔ سینکڑوں سال جینے کے لیے۔ اور اس وقت تمہاری گردنیں میرے سامنے احسان مندی سے جھک جائیں گی۔''

''ابے پاگل، خبطی...'' شوکت کے منہ سے گالیاں نکلنے لگیں۔

''شٹ اپ۔'' وہ چیخا۔ پھر اپنے آدمیوں کی طرف گھوم کر بولا۔ ''لٹا دو انھیں میزوں پر۔ مجھے آج ہی تمام کام ختم کرنا پڑے گا۔ آج میں دنیا کے لیے اپنی سب سے بڑی ایجاد مکمل کر رہا ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ 'قم' کہہ کر مردے جلایا کرتے تھے۔ میں مردوں کو اپنے ہاتھوں سے دوبارہ زندگی دوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ بے تحاشا قہقہے لگانے لگا۔

''باس!'' اچانک ایک آواز نے انھیں چونکا دیا۔ یہ ریگی تھا۔ وہی آدمی جو نے بالے کو مس ڈونیک کے لیے سلپ دی تھی۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' سفید فام آدمی اس کی طرف گھوما۔

''پولیس ہمارے راستے پر پڑ گئی ہے۔''

''اوہ، وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں نے جتنے آدمیوں پر تجربہ کیا ہے ان کی رضا و رغبت سے کیا ہے۔ ان کی تحریریں موجود ہیں۔ انہوں نے پانچ پانچ ہزار میں مجھے اپنی جانیں بیچی تھیں۔ قانون ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''لیکن یہ لوگ؟''

''اوّل تو ان میں سے ایک کی تحریر موجود ہے۔ دوسرے، اس بار میرا تجربہ ناکام نہ ہوگا۔ دوبارہ زندگی پا کر یہ جب تک چاہیں زندہ رہ سکیں گے۔'' وہ بولا۔

''باس، ساری دنیا آپ کے قدموں میں جھک جائے گی۔'' ریگی نے، جو مس

ڈونیک کا فرضی باپ بنا ہوا تھا، خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''اور میں ایک آدمی کو زندہ کرنے کی قیمت ایک لاکھ ڈالر لوں گا۔ قارون کی دولت میرے قدم چومے گی اور تم لوگ نوابوں کی طرح گھوموگے۔'' وہ خوش آئندہ مستقبل کی مسرت سے چمکتی آنکھیں چاروں طرف گھما کر بولا۔

''دوستو!'' وہ اب بالے اور شوکت سے مخاطب ہوا۔ ''تم نے میری بہت بڑی مشکل حل کردی۔ مجھے آخری تجربے کے لیے صرف دو آدمی اور چاہییں تھے۔ تمہارا شکریہ۔ بس اب لیٹ جاؤ ٹیبل پر۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم صرف چار گھنٹوں کے لیے مروگے۔ صرف چار گھنٹوں کے لیے۔''

اس کے جواب میں بالے نے پھر ایک زور لگایا کہ اس کے آدمیوں کی گرفت سے چھٹ جائے، لیکن سفید فام آدمی کے ہاتھ میں ریوالور موجود تھا۔

''میں گولی مار کر بھی تجربہ کرسکتا ہوں۔ خبردار۔'' یہ کہہ کر اس نے ریوالور اٹھایا ہی تھا کہ ایک چھناکا ہوا اور آپریشن تھیٹر کی بڑی لائٹ کے شیشے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ ڈاکٹر نے سر اوپر اٹھایا ہی تھا کہ دوسرے فائر کے ساتھ اس کا ہاتھ جھول گیا۔

''خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔''

خان کی کڑکتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ بالے اور شوکت کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔

''خان صاحب، یہ سالا امرود خدائی کا دعویٰ کررہا تھا ابھی۔'' شوکت چیخا۔

''ابے، امرود نہیں، نمرود۔'' بالے نے اسے ٹوک دیا۔

''اے لو، میاں بھی قواعد اردو نکال بیٹھے۔'' شوکت برا سا منہ بنا کر بڑبڑانے لگا۔

سفید آدمی نے چاہا تھا کہ جست مار کر کھڑکی سے نکل جائے، مگر خان کا نشانہ کہاں چوکنے والا تھا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی اور وہ فرش پر آرہا۔

''ڈاکٹر جیکر، تم اتنی آسانی سے خودکشی نہیں کر سکتے۔ کھڑکی سے باہر سر نکالتے ہی پولیس کی مشین گنیں تمہارے جسم میں ہزار سوراخ کر دیتیں۔'' خان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

لیکن ڈاکٹر جیکر کی طرف ان کی توجہ سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے دو آدمی بھاگ ہی اٹھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل کر پہنچے ہی ہوں گے کہ مشین گن کی آواز نے سناٹے میں شور پھیلا دیا اور دو چیخوں کے بعد کوئی انسانی آواز نہیں سنی گئی۔

''دیکھا تم نے۔'' خان نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا، جو فرش سے اٹھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ''تم سمجھتے تھے بے روزگار پس ماندہ ہندوستان میں انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہیں۔ تمہارا ڈالروں کا سرمایہ انھیں خرید کر تمہارے خطرناک تجربوں کا شکار بنا سکتا ہے۔ لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ سفید فاموں کا نسلی امتیاز کا قانون کب سے اس ملک سے جوتے کھا کر بھاگ چکا ہے۔ تمہاری نسلی برتری ایشیا میں کب کی دفن کی جا چکی ہے۔

خان اس وقت انتہائی غیض کے عالم میں نظر آ رہا تھا۔ اور شاید اگر اسے یہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہو گئی ہوتی تو اس کی دو عزیز ہستیاں ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو گئی ہوتیں۔ بالے اس کا ماتحت ہوتے ہوئے بھی اسے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح پیارا تھا۔ اور شوکت کی وفاداری اس کے لیے بہت قیمتی تھی۔ ''اگر ان میں سے کسی کا بھی بال بیکا ہو گیا ہوتا، تو میں تم لوگوں کی قانونی سزا کی پرواہ کیے بغیر اسی وقت تمہاری چندھیا اڑا دیتا۔ چلو نکلو باہر۔''

خان نے ڈاکٹر کو اسی عالم میں بھی گریباں سے اٹھا کر آگے ڈھکیلا۔

''پولیس کے شبے سے بھی دور رہنے کے لیے تم نے مشہور کرا دیا تھا کہ تم پونہ میں ہو۔ لیکن کیا تم نے ہندوستان کی پولیس کو بے وقوف سمجھ رکھا تھا۔'' خان چلتے چلتے اس سے نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''لیکن ہمیں تو ڈاکٹر نے یقین دلایا تھا کہ وہ آدمی ہمیشہ کے لیے مر نے نہیں پائیں

گے جن پر تجربے کیے جا رہے ہیں۔" ریگی نے جسے بالے جھگڑی پہنا چکا تھا بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"قارون کی دولت کا خواب دیکھنے والا شیطان، انسانیت کا خادم نہیں ہوسکتا، بے وقوف۔تم لوگوں نے غریب مظلوم اور مصیبت زدلوگوں کی جانیں لی ہیں۔تم سب کوالیکٹرک چیئر تک پہنچا کردم لوں گا۔"

خان کے ان الفاظ نے ان سب کولرز براندام کردیا۔ وہ زرد پڑ گئے۔لیکن مس ڈونیک کا حال سب سے برا تھا۔وہ اتنی نڈھال ہورہی تھی کہ اگر بالے اسے سہارا نہ دیتا تو گر پڑتی۔

"بالے بھائی، تم اس سالے فرضی باپ کوسنبھالو میں ڈونی کو کندھا دیتا ہوں۔" شوکت نے بالے سے آہستہ سے کہا۔

"ڈونی؟ کون ڈونی؟"

"ارے یہی نا سالی میری میبو بہ۔ کہہ رہی تھی لبا امتحان لے رہے ہیں تمہاری موجت کا۔سالی چارسوبیس۔"شوکت یہ کہہ کرڈونی کوگھورا۔

☆☆☆☆☆☆

باغِ نشاط سے چار ایسی لاشیں پائی گئیں جن کے ساتھ خودکشی کے خطوط تھے مگر جنہیں شہر کے مختلف مقامات تک پہنچایا نہیں جا سکا تھا۔شاید عجلت میں ڈاکٹر جیکر نے ایک پوری رات مصروف رہ کران سب پر تجربے کر ڈالے تھے۔یہ وہ مصیبت زدہ غریب لوگ تھے جن سے اپنے متعلقین اوراہل وعیال کی کسمپرسی اور فاقہ کشی نہ دیکھی گئی تھی۔اورانھوں نے اپنی جانیں پانچ پانچ ہزار کی رقموں کے لیے بیچ دی تھیں۔ان میں سے جن جن پر تجربے پہلے ہو چکے تھے ان کے گھروں پر مرنے والوں کے آخری خطوط کے ساتھ ان کی طرف سے پانچ

پانچ ہزار روپے پہنچ چکے تھے۔اور یہی سیاہ رنگ کی کار تاریک رات کے سناٹے میں ان کے مکانوں کے دروازے کھلوا کر یہ رقمیں دے کر آئی تھی۔

جس وقت وہ چاروں لاشیں ایک ساتھ پوسٹ مارٹم تھیٹر میں سفید چادروں سے ڈھانک کر رکھی گئیں تو خودخان کے آنسو نکل پڑے۔

''کاش میں انھیں اس خونخوار انسان کی دسترس سے بچا سکتا۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''لیکن آپ کو کیسے اس کا سرغ ملا؟'' بالے نے جو قریب ہی موجود تھا، سوال کیا۔

''میں شروع سے ہی اس معاملے کو اہم تصور کر رہا تھا۔مختلف صحیح پتوں پر ہی کام کے امیدواروں کو بھیجا جاتا تھا۔لیکن وہاں ان سے کہا جاتا تھا کہ کسی نے انھیں غلط پتا بتایا ہے۔اور جب وہ مایوس ہو کر نکلتے تو باہر ان کے آدمی موجود رہتے جو ان کا پیچھا کر کے ان سے کہیں نہ کہیں تعلق پیدا کر لیتے۔اس طرح مختلف ذرائع سے انھیں باغِ نشاط پہنچایا جاتا تھا۔یہ کوٹھی ڈاکٹر جیکر نے ہی ایرانی قونصل سے کرائے پر حاصل کی تھی۔ڈاکٹر پہلے یہیں رہتا تھا۔لیکن ان تجربات کو شروع کرنے کے ساتھ وہ اس مقام سے فیکٹری والی تجرہ گاہ میں منتقل ہو گیا۔اور یہاں مشہور کرا دیا کہ وہ پونہ میں ہے۔''

''مگر آپ کو اس کی شخصیت کا علم کیسے ہوا؟''

''کچھ اپنے ذرائع سے، کچھ جرمنی کے قونصل خانے سے۔وہ دوسرا دراز قد آدمی ڈکشٹ ہے جو ریگی کے ساتھ گرفتا ہوا ہے۔وہ اور تمہارا وہ گجراتی سیٹھ انڈین پلاسٹک کے پارٹنر ہیں۔وہ دونوں ڈاکٹر کے اس کروڑوں روپے کمانے والے پروگرام میں اس کے شریک بلکہ مرید تھے۔اسی لیے اشتہار میں اس کا ایڈریس دیا گیا تھا۔اور سچ پوچھو تو اس ریگی کی شخصیت مجھے وہیں سے معلوم ہوئی۔اس کا سراغ لانگ فیلو نے نکالا تھا۔وہ اشتہارات اسی نے تقسیم کیے تھے۔'' خان نے بتایا۔

"اور وہ مس ڈونیک؟"

"وہ ڈاکٹر جیکری کی بھتیجی ہے۔ وہ اسی کے اشاروں پر چلتی تھی۔"

"مگر آپ نے ابھی گجراتی کا ذکر کیا ہے؟"

"وہی سرلا کا باپ۔"

"باپ رے، ایک عدد خسر صاحب منتخب کیے تو وہ بھی اندر..."

"تم چاہو تو بیٹی کی اشک شوئی کے لیے جاسکتے ہو۔"

"یعنی وہ آزاد ہے؟"

"وہ کچھ نہیں جانتی تھی اس بارے میں۔ سادہ اور معصوم لڑکی ہے۔"

"تو میں جاؤں؟"

"کہاں؟"

"اس کی اشک شوئی کرنے۔"

"اور میری عشق شوئی کرن کرے گا؟" اچانک شوکت کی آواز نے دخل دیا۔

"ابے، کبھی تو صحیح اردو بولا کرو۔"

"تیل لینے گئی تمہاری گرامر اور ریانی کہ قواعد اردو۔ میرا جو جی چاہے گا بولوں گا۔ جاؤ، میں اپنڈ رہا تھا شک بولوں گا۔ تمہاری سارجنٹی کا اجارہ۔"

"کیا بات ہے؟ بالے سے خفا ہو بہت؟" خان مسکرایا۔

وہ اب باہر آچکے تھے۔

"یہ میری ساری حجامت ان کی ہی وجہ سے ہوئی ہے۔ یعنی ہر مرتبہ مصیبت میں پھنساتے ہیں مجھے۔" شوکت نے شکاتی لہجے میں کہا۔

"ابے واہ، میں نے کب کہا تھا کہ اس ڈومنی کا پیچھا کرو؟ میں نے تو نظر رکھنے کو کہا تھا۔"

Akram Allahabadi

''ابے میاں خان، ڈومنی وومنی مت کہنا۔ڈونی نام ہے اس کا۔''شوکت کو برا لگ گیا۔خان ہنس پڑا۔

''اچھا چلو۔کار کہاں ہے تمہاری؟''

''کائے کو؟''

''ایک چھوکری سے ملانے لے چلوں گا۔''بالے نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔مگر وہ بری طرح اچھل پڑا۔

''تم تو معاف رکھو خدا کے لیے۔وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے کہ اب کھائی تو کھائی، اور اب کھائیں گے تو رام دہائی۔''شوکت نے دور سے اس کے ہاتھ جوڑ لیے۔

''نہ جاؤ۔میں تو جا رہا ہوں۔خود پچھتاؤ گے۔''

یہ کہہ کر بالے خان کو سلام کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''ارے سنو تو، بالے بھائی۔''شوکت نے چونک کر پیچھے سے آواز دی۔پھر خان سے پوچھنے لگا۔''میں بھی جاؤں؟''

''جاؤ۔''خان یہ کہہ کر ہنس پڑا اور شوکت جھینپا جھینپا سا بالے کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi